الصلوٰۃ والسلام علیکَ یا نور اللہ

کالجوں یونیورسٹیوں کے طالب علموں وکلاء و ججز، علماء و دانشوروں
اور دیگر طبقوں کے علم و تحقیق کے متلاشی حضرات و خواتین کے لئے

بے مثل کتاب

خلافت اسلامیہ
اور
مغربی جمہوریت

(تقابلی جائزہ)

تصنیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

خلافتِ اسلامیہ

اور

مغربی جمہوریت

تالیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

ناشر

عمدة البیان پبلشرز (رجسٹرڈ)

سنٹرل کمرشل مارکیٹ C/O جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

042-8428922-0300-4826678-0300-7991693

نام کتاب : خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت

نام مصنف : شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

نظر ثانی : مولانا محمد سلیمان قادری، سید محمد عاکف قادری

سن اشاعت اول : 1414ھ/1993ء

سن اشاعت بار دوم : 1428ھ/2007ء

تعداد : 1100

ڈیزائننگ و کمپوزنگ : محمد حسین خاور

قیمت : 100روپے

ناشر : عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ)

ہیڈ آفس جامعہ رضویہ سنٹرل کمرشل مارکیٹ

ماڈل ٹاؤن لاہور

042-8428922

فہرست مضامین

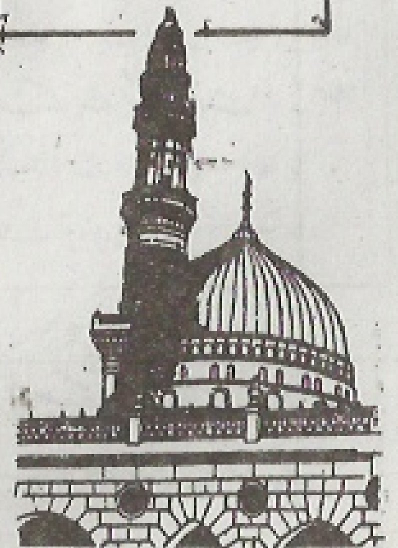
(پہلا حصہ)

تمّت [illegible]

حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے۔ ماضی کفر ہو تو حال کلمہ پڑھ کر مومن ہو سکتا ہے۔ حال مومن ہو جائے تو ماضی بھی مومن۔

مکتبہ خاور ۲۲-۸-۹۳

پیسٹنگ :
ڈیزائن جی :
کمرہ ۱۳ پہلی منزل
سمیع سنٹر اردو بازار
لاہور



تعارف مصنف

پیر طریقت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب تو ایسی شخصیت ہیں۔ جو کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن میری سوچ میں جناب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات موجود ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درسگاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسے عظیم انسان تخلیق کئے۔ ہر انسان کی سب سے پہلی درسگاہ اُس کی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جتنی وہ گود مقدس و مکرم ہوگی اُتنی ہی اُس کی اولاد کی تربیت اعلیٰ ہوگی آپ آج کسی بھی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی نظر سے بڑی بڑی شخصیات کے تذکرے ضرور گذرتے ہوں گے۔ وہاں ان شخصیات کی تربیت کی پہلی بنیادی چیز اور عظیم درسگاہ "ماں کی گود" کے ہی ثمرات ملتے ہیں جو کہ ایک عام انسان کو عظیم انسان بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت میں اُس پہلی درسگاہ کی تربیت کے ہی اثرات ہیں کہ آپ بہترین عالم دین باعمل، بہترین مفتی، بہترین مدرس، بہترین محقق و مصنف، بہترین شیخ الطریقت و شیخ التفسیر اور بہترین شیخ الحدیث ہیں آپ کی طبع شریف میں انتہائی نرمی، حلم بردباری برداشت اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور و اوقاف پنجاب اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی ہیں اب جناب

حضرت صاحب کی بنیادی تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرتا ہوں تا کہ قارئین کو علم ہو جائے کہ آپ نے تعلیم و تربیت اور روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

ولادت:۔ آپ کے آباؤ اجداد سادات و شرفاء بخارا سے ہیں جو حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کے ہمراہ بخاری سے کشمیر آئے پھر اوچ شریف ضلع بہاولپور آ کر آباد ہوئے۔ آپ کی ولادت موضع کچی لعل نزد اوچ شریف تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مورخہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو خدا بخش علیہ الرحمہ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا بزرگوار محمد موسیٰ علیہ الرحمہ اور پردادا محمد جوہر علیہ الرحمہ تھے۔

ابتدائی تعلیم:۔ آپ نے سب سے پہلے ناظرہ قرآن مجید اپنے پڑوسی بزرگ عالم مولانا غلام نبی خورشیدی علیہ الرحمہ سے عرصہ تین چار ماہ میں پڑھ کر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور مڈل تک کی تعلیم کے لئے موضع لکس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے مڈل کا امتحان انتہائی اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا بعد ازاں دیگر دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن محمود بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء والفضلاء حضرت علامہ حکیم غلام رسول علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کیا اور اُن سے آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح تہذیب قطبی کے اوائل شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار اور علم طب کی میزان طب، طب اکبر و موجز وغیرہ پڑھیں۔

1958ء میں ڈیرہ غازی خان میں استاذ العلماء، علامہ مولانا غلام جہانیاںؒ صاحب سے نور الانوار، شرح جامی، مولانا عبد الغفور صاحب سے قطبی، میر قطبی، مُلا جلال، حمد اللہ شرح وقایہ اخیرین، میبذی التصریح، اقلیدس، مشکوۃ شریف،

جلالین ہدایہ اولین، حسامی، مقامات حریری، حماسہ، متنبی، تصوف، لوائح جامی، لوامع جامی اور مثنوی شریف پڑھیں۔

1961ء ملتان میں غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبد الکریم" سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امید علی خاں صاحب سے توضیح و تلویح، مسلم الثبوت و ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادری سے جلالین و علم میراث پڑھا اور فتویٰ نویسی سیکھی۔ آخر میں حضرت علامہ قبلہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ رشیدیہ، شرح عقائد، خیالی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز:۔ علوم و فنون اور فتویٰ نویسی کے علم سے فراغت کے بعد قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی نظر عنایت و التفات نے بطور نائب مفتی آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حکومت پاکستان نے قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو بہاولپور یونیورسٹی میں بطور پروفیسر حدیث مقرر فرمایا تو قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جن قابل ترین تلامذہ کو بہاولپور ساتھ لے جانے کے لئے منتخب فرمایا اُن میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی سے **1965-1966**ء میں ایم اے اسلامک لاء یعنی تخصص فی الفقہ والقانون الاسلامی کی سند حاصل کی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فرمان پر اپنی مادر علمی مدرسہ انوار العلوم واپس آ کر استاذ الحدیث، مفتی و صدر شعبہ افتاء کے فرائض سنبھالے۔ **1977**ء میں حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی خواہش پر قبلہ مفتی صاحب جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور شیخ الحدیث و شیخ الادب

العربی مقرر ہوئے اسی دوران صدر انجمن تہذیب الاسلام مین مارکیٹ گلبرگ آپ کو جامعہ مسجد غوثیہ گلبرگ لے آئے۔ جہاں عرصہ 12 سال تک جامع مسجد غوثیہ کے خطیب رہے اور یہاں جامعہ غوثیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور 1990ء تک اسی درسگاہ کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث رہے اور انتہائی خوش اسلوبی محنت خلوص اور لگن سے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہوئے۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے قبلہ مفتی صاحب کے سپرد کیا اور اُن کے پُر خلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 17 سال سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن میں درج ذیل شعبہ جات کی انتہائی کامیابی کے ساتھ سرپرستی فرمارہے ہیں۔ یہ جامعہ رضویہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے مینجنگ ٹرسٹی حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب آپکے بڑے بیٹے ڈاکٹر احمد سعید قادری ڈپٹی مینجنگ ٹرسٹی اور جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر سیکرٹری جنرل ہیں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے جناب علامہ محمد وحید قادری جامعہ کے ناظم اعلیٰ، تعلیمات و مالیات ہیں۔ شعبہ جات:۔ شعبۂ تحفیظ القرآن، شعبۂ تجوید وقراءت، شعبۂ درس نظامی، شعبۂ کمپیوٹر لیب، شعبۂ تخصص فی الفقہ والحدیث والقانون الاسلامی اور شعبۂ نشر واشاعت شامل ہیں حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کی جتنی بھی تصانیف ہونگی ان کی اشاعت کے لیے مستقلاً عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور کے نام سے ادارہ معرض وجود میں لایا گیا ہے جس کے زیر اہتمام آپ کی تمام تصانیف اشاعت

ہونگی اور وہی ادارہ آپ کی تمام مطبوعات کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ آپ کی تصانیف تقریباً 55 کے قریب ہیں جن میں خاص اہمیت کا حامل ترجمۂ قرآن مجید، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن" ہے جو کہ اس صدی کا ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامہ ہے جلد چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے۔ انشاء اللہ ایمان افروز اور تحقیقی شاہکار و تصانیف خود مطالعہ کریں اور عزیز و اقارب میں تحفۃً پیش کریں یہ آپ کی سعادت ہو گی اور اس سے خیر و برکت کا وافر حصہ نصیب میں آئے گا انشاء اللہ۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں!

(1)۔ درود وسلام وشانِ خیر الانام ﷺ
(2)۔ رد امکان کذب باری تعالیٰ
(3)۔ مقام علم وعلماء
(4)۔ شرح "الفضل الموھبی"
(5)۔ خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت
(6)۔ معجزۂ شق القمر
(7)۔ قاضی اور سربراہ مملکت
(8)۔ بیعت کی اہمیت وضرورت
(9)۔ مسئلہ ایصالِ ثواب
(10)۔ مسئلہ تصویر (تصویر کا جواز)
(11)۔ ندائے یا محمد یا رسول اللہ ﷺ
(12)۔ نماز سے متعلق تین اہم مسئلے
(13)۔ پروفیسر طاہر القادری کا علمی وتحقیقی جائزہ
(14)۔ تفسیر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
(15)۔ شدید غصہ میں دی گئی طلاق کا شرعی حکم
(16)۔ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
(17)۔ مسئلہ صلوٰۃ وسلام قبل اذان
(18)۔ اسلام میں ٹیکسوں کی شرعی حیثیت
(19)۔ سورۂ یٰسٓ مع اردو ترجمہ وتفسیر
(20)۔ حج اور قربانی
(21)۔ عید اسلام
(22)۔ نجاۃ الوالدین الکریمین

ان درج بالا کتب کے علاوہ حضرت کا ماہانہ مجلہ ماہنامہ البرلاہور کے نام سے عرصہ ۱۷ سال مکمل اور اُٹھارویں سال کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ اُمت مسلمہ کے لئے بالخصوص شائع ہو رہا ہے انتہائی اہم موضوعات پر مضامین، تبصرے اور حالات حاضرہ پر اداریے اور لوگوں کے بزنس کی تشہیر اس کے حسن وقدر میں اضافے کا باعث ہو رہی ہے آج ہی اخبار ہاکر یا بک اسٹالز سے نام لے کر ماہنامہ البرلاہور طلب فرمائیں تاکہ آپ اپنے گھریلو ماحول کو دینی، روحانی اور اصلاحی پہلو میں خود کفیل بنائیں۔یوں تو آپ کی ہر کتاب علم کا ایک خزانہ ہے مگر وہ کتابیں جو آپ نے کسی کے جواب میں ''علمی وتحقیقی جائزہ'' کے نام سے لکھیں یا کسی کی علمی وتحقیقی اغلاط کی نشاندہی میں لکھیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں مثلاً '' درود وسلام شان خیر الانام'' جناب جسٹس تقی عثمانی دیوبندی عالم کے جواب میں لکھی گئی اور '' ڈاکٹر غلام مرتضےٰ ملک کی کتاب توحید اور وجود باری تعالیٰ کا علمی وتحقیقی جائزہ'' بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے آپکی کتب ایک بحر بے کراں ہیں دینی روحانی اصلاحی علم حق کے متلاشی ان کتب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔۱۹۹۸ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوافیہ پر چار جلدوں پر مشتمل عربی میں تحقیق وتخریج لکھی الکافیہ جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔اس کی عربی زبان میں شرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی

۔نیز طبیہ کالج لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب کی ڈگری بھی حاصل کی۔

علمی و دینی ذوق:۔ آپ کے علمی و دینی ذوق کا یہ حال ہے کہ اپنی آبائی زمینیں اور مکانات جو آپ کے ورثے میں آئی تھیں سب بیچ کر مدرسہ اور لائبریری پر خرچ کر دیا اور سارا دن لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ اور تحریر و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے صاحبزادوں کو بھی اسی لائن پر چلایا آپ کے بڑے صاحبزادے احمد سعید قادری ہومیو ڈاکٹر اور بہترین عالم ہیں جامعہ کے وائس پرنسپل اور درس نظامی پڑھاتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے علامہ محمد وحید قادری درس نظامی کے فاضل اور یونیورسٹی سے ایم۔اے ہیں وہ بھی جامعہ کے استاذ و ناظم اعلیٰ و تعلیمات ہیں اور تیسرے صاحبزادے علامہ محمود عبید قادری درس نظامی سے فارغ و انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی لاء اینڈ شریعہ ہیں چوتھے بیٹے محمد حماد قادری نے ایف۔اے کے بعد درس نظامی شروع کیا جو درس نظامی کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہیں اور پانچویں سب سے چھوٹے بیٹے محمد باذل قادری قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔

تفصیل غیر ملکی تبلیغی دورے، مناظرے:۔ قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب مصنف کتب کثیرہ، دینی خدمات کے جذبے سے اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔صدر جنرل ضیاء الحق شہید کے زمانہ میں آپ نے چین کا انتہائی کامیاب سرکاری دورہ کیا۔جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی درخواست پر آپ جنوبی افریقہ کے

کئی دورے کر چکے ہیں بلکہ ۱۹۸۶ء میں جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران (شہر کیپ ٹاؤن) مرزائیوں کے ساتھ تین دن تک مناظرہ ہوتا رہا آخر میں مرزائی لیڈر سلیمان ابراہیم لاجواب ہو کر مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس طرح کے کئی مناظروں میں حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھیجا تو اُن کی دعا سے ہمیشہ آپ کامیاب و فتحیاب رہے۔

(لیڈی سمتھ) میں دیوبندی مولانا عبدالرزاق سے علماء دیوبند کی گستاخانہ عبارات پر مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی یہ عبارات گستاخانہ و کفریہ ہیں اس مناظرہ کی بھی کیسٹ موجود ہے آپ برطانیہ کا بھی چار دفعہ تبلیغی دورہ کر چکے ہیں ایک موقع پر آپ سلطان باہو ٹرسٹ یو۔کے ٹھہرے ہوئے تھے کہ مرزا طاہر احمد نے (جنگ) لندن میں ختم نبوت کے حوالے سے ایک بیان دیا جس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اسے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ برطانیہ (جنگ) اخبار کی شہ سرخی سے یہ خبر شائع ہوئی جس پر مرزا طاہر احمد نے مناظرہ کرنے اور گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح آپ متحدہ عرب امارات کئی مرتبہ تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔یورپین ممالک جرمنی، بلجیم، ہالینڈ، انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ اور متحدہ عرب امارات کے بھی دورے کر چکے ہیں اُن ممالک کے علاوہ تقریباً اکثر ممالک میں آپ کے کثیر تعداد میں مریدین ہیں علاوہ ازیں پاکستان میں بھی ارادتمندوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے چونکہ کویت میں حلقہ ارادت ہے وہاں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تو دورۂ کویت کے دوران کویت کے سابق وزیر برائے مذہبی امور شیخ

طریقت علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی جو دین اسلام اور خصوصاً مسلک اہل سنت کی مثالی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اُن کی موجودگی میں قبلہ مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور اعلیحضرت کے کچھ نعتیہ کلام حدائق بخشش کا بھی عربی میں ترجمہ کرکے اس کی تشریح فرمائی۔ جس پر قبلہ رفاعی صاحب بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اعلی حضرت کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کا عربی ترجمہ فرمادیں۔ جو کہ مسلک حق اہل سنت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اہل عرب اس سے خوب استفادہ کرسکیں گے آپ نے پاکستان میں بھی کئی مناظرے کئے جبکہ چیچہ وطنی میں ایک مشہور عیسائی پادری سعید المسیح سے ۵ دن مناظرہ کیا آخر میں وہ بھی آپ کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگیا اور توبہ کرکے مشرف با اسلام ہوگیا جو عیسائی پادری تائب ہوا اُس کا نام احمد سعید رکھا گیا آج کل وہ کراچی میں ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا ہے علاوہ ازیں موضع کمیر میں دربار شریف حضرت پناہ سے ملحقہ مسجد میں ایک قابض دیوبندی خطیب نے مناظرے کا چیلنج کیا جب حضرت مفتی صاحب علماء اہل سنت کی معیت میں وہاں پہنچے تو مذکورہ مولوی صاحب میدان سے بھاگ گئے۔ آخر میں ۱۲ ان بزرگوں کے اسماء گرامی جن سے آپکو خلافت ملی ہے۔

شریعت و طریقت کی سندیں وخلافتیں

۱۔ حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ وقادریہ ونقشبندیہ وسہروردیہ کی خلافت۔

۲۔ استاذ العلماء، وشیخ طریقت حضرت غلام جہانیاں علیہ الرحمہ (ڈیروی) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ چشتیہ معینیہ ،فریدیہ کی خلافت۔

۳۔ مفتی اعظم ہند شاہ مصطفے رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ نوریہ کی خلافت۔

۴۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ مجددیہ کی خلافت۔

۵۔ مفتی عرب وعجم قطب مدینہ منورہ ضیاء الامۃ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ کی وسلسلہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف وسلسلہ نبہانیہ کی اور حضرت قطب مدینہ کو حضرت سیدنا علی حسین اشرفی کچھوچھہ شریف علیہ الرحمہ اور امام یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ سے براہ راست خلافت حاصل تھی۔

۶۔ استاذ العلماء، فقیہ امت حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ (لاہوری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ وحنفیہ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کی خلافت۔

۷۔ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین البغدادی علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت۔

۸۔ شیخ الاسلام حضرت امام محمد بن زکریا مدنی انصاری (مدینہ منورہ) سے علوم شریعت کے ساتھ چاروں سلسلوں کی خلافت۔

۹۔ شیخ الاسلام حضرت امام سید محمد بن سید علوی مالکی مکی (مکہ مکرمہ) سے چاروں سلسلوں کے علاوہ جملہ بلاد عرب وعجم کے مشائخ کبار کے جملہ سلاسل شریفہ کی اجازت وخلافت۔

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) سے خلافت۔

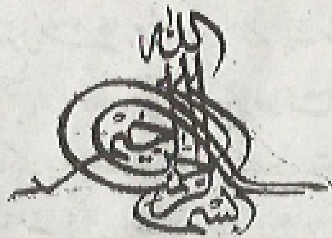
۱۱۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی ابو برکات سید احمد الوری رحمتہ اللہ علیہ لاہور سے خلافت۔

۱۲۔ سلطان الفقراء والصوفیہ حضرت غلام رسول ریاض آبادی (ملتانی) خلیفہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے خلافت۔ یہ تھیں آپ سے متعلق معلوماتی گزارشات جو کہ ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت ایسے پاکان امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے امین

دعا گو

مینجر عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور



خلافتِ اسلامیہ

کی اہمیت، ضرورت وافادیت

خلافت خلافت اسلام کا اپنا نظام حکومت وسیاست ہے جبکہ جمہوریت غیر مسلموں کا ایجاد کردہ نظام حکومت وسیاست ہے۔

خلافت کی تعریف امام ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں

"انہ نیابۃ عن صاحب الشریعۃ فی حفظ الدین وسیاسۃ الدنیا"

یعنی خلافت، دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی ہے۔

ٴ ٴ ٴ

فن تاریخ کے ماہر علامۂ زمان امام عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد مالکی قاہری

المعروف امام ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں خلافت کی جو تعریف کی ہے اسمیں تین باتیں ملحوظ خاطر رہیں ایک یہ کہ خلافت نہ تو وزارت عظمٰی ہے اور نہ ہی صدارت ہے بلکہ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت و قائم مقامی ہے۔ کس بات کی نیابت ؟ کس بات کی قائم مقامی ؟ دین کی حفاظت اور دُنیا کی سیاست (بھلائی) کی۔ گو یا خلیفہ دراصل حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب و قائم مقام ہوتا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن دین کی حفاظت اور لوگوں کی بھلائی تھا اس لئے خلیفہ کا مشن بھی دین کی حفاظت اور دُنیا کی بھلائی ہوگا۔ پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ خلافت کی تعریف میں، حفاظت دین کو پہلے اور سیاستِ دُنیا کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں پر یہ بات واضح ہوجائے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے دین کو دُنیا سے مقدم ہی رکھا جائے گا۔

خلافت قرآن و سُنت کی روشنی میں

اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

① اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (البقرۃ)

میں زمین میں اپنا نائب بنانیوالا ہوں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی کی زمین پر اس کے دیئے ہوئے نظام کو نافذ کرنے والے سربراہ کا جو منصبی لقب ہوگا وہ "خلیفہ" ہوگا یعنی نائب و قائم مقام۔ پھر اگر وہ پیغمبر ہے تو وہ اللہ کا خلیفہ (نائب و قائم مقام) ہوگا۔ اگر وہ پیغمبر نہیں ہے تو وہ پیغمبر کا خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ مُفکر اسلام امام عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون معروف بہ نام امام ابن خلدون علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۸ھ اپنی مشہور کتاب "مقدمہ" میں لکھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "خلیفۃ اللہ" کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

لَسْتُ خَلِیْفَةَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّیْ خَلِیْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں لیکن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے بعد مسلمانوں کا سربراہ پیغمبر کا خلیفہ کہلائے گا یعنی اس لئے مسلمانوں کے نظامِ حکومت میں یہ بنیادی تصوّر ہے کہ یہ نظامِ حکومت، خلافتی اور نیابتی نظام ہے لہٰذا مسلمانوں کا سربراہ خلیفہ کہلائیگا اور امام بھی۔ جیساکہ فقہاء نے خلافت کو (امامتِ کُبریٰ) کا نام بھی دیا ہے، مسجد یا نماز کی امامت، امامتِ صُغریٰ (چھوٹی) امامت کہلاتی ہے اور مملکت کی (اسلامی ریاست کی) سربراہی امامتِ کُبریٰ۔ جیساکہ امام ابن خلدون فرماتے ہیں :

انه نيابة عن صاحب الشريعة في حفظ الدين وسياسة الدنيا به تسمى خلافة وامامة والقائم به خليفة واماما فاما تسمية اماما فتشبيها بامام الصلوٰة في اتباعه والاقتداء به ولهذا يقال "الامامة الكبرىٰ" واما تسمية خليفة فلكونه يخلف النبي صلى الله عليه وسلم في امته فيقال "خليفة" باطلاق، وخليفة رسول

بلاشبہ خلافت دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نیابت و قائم مقامی ہے اسی لئے اس کا نام خلافت اور امامت رکھا جاتا ہے اور اس منصب پر فائز شخص کو خلیفہ اور امام کہا جاتا ہے۔ امام تو اسلئے کہ جیسے نماز کے امام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے ایسے ہی خلیفہ کی بھی، اور اسی لئے خلافت کو امامت کبریٰ (سب سے بڑی امامت) کہا جاتا ہے اور اس منصب کو خلافت اس لئے کہتے ہیں کہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا قائم مقام ہے تو اُسے صرف خلیفہ
(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۱) بھی کہا جاتا ہے اور خلیفۃ الرسول بھی۔

امام صاحب کی اس عبارت سے درج ذیل اُمور واضح ہو گئے۔

(۱) ایک یہ کہ خلافت، صاحب شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔

(۲) دُوسرا یہ کہ یہ نیابت دین کی حفاظت اور بھلائی کے ساتھ دُنیا کے اسلام کی حکمرانی کے بارے میں ہے یعنی خلیفہ کا اولین فریضہ دین کی حفاظت (احکام شریعت کا مکمل اور دائمی نفاذ) ہے اور دُوسرا فریضہ دُنیا کے معاملہ میں قوم کی راہنمائی کرنا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ اسلام کے نظام حکومت ونظام سیاست کا نام خلافت اور امامت ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ اس منصب پر فائز شخص کو صدر وغیرہ کہنے کی بجائے خلیفہ اور امام کہا جائے گا، تاکہ خلیفہ کا لقب اُسے یہ احساس دلاتا رہے کہ وہ مطلق العنان اور بے لگام حکمران نہیں ہے بلکہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب اور آپ کا قائم مقام ہے جبکہ اصل اقتدار رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو اللہ تعالٰی کے خلیفہ ہیں، تو نائب کا کام اپنے نفس کی مرضی یا اپنی ذاتی خواہش پر چلنا نہیں بلکہ اصل جس کا یہ خلیفہ و قائم مقام ہے اسکی مرضی پر اسکی تعلیم کے مطابق اور اسکی ہدایات کی روشنی میں چلنا ہے اگر یہ اصل کی مرضی اور اصل کی ہدایات و تعلیمات کے خلاف چلے گا تو اس کا خلیفہ (قائم مقام) نہ رہے گا ایسی صُورت میں وہ اقتدار سے معزُول قرار پائے گا۔ لہٰذا اُسے اقتدار سے الگ ہونا پڑے گا۔

(۵) پانچواں یہ کہ خلیفہ، حضُور علیہ السلام کی اُمّت میں آپ کا قائم مقام ہے،

اس لئے اُسے خلیفہ اور خلیفۃ الرسول دونوں ناموں سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

(۶) چھٹا یہ کہ چونکہ امام نماز کی طرح خلیفہ کی اتباع و پیروی بھی ضروری ہے لہٰذا اسے امام بھی کہہ سکتے ہیں۔

سورۃ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوا کہ لفظ خلیفہ، اللہ تعالٰی کا تجویز کردہ لفظ ہے جسے اس نے اُمّت پر حکمرانی کرنے والی شخصیت کے منصب اقتدار کے لئے آسمان سے نازل کیا۔

خلافت مُسلمانوں کی میراث

اور یہ کہ خلیفہ کا نام ہمارے مقتدر باپ (حضرت آدم) کو اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا ہوا ہم چونکہ ان کی اولاد ہیں اسلئے یہ لقب ہمارا مورُوثی لقب ہے جسے ہمیں کبھی بھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ ہمارے باپ کی میراث ہے۔ جو ہمارے حصّہ میں آئی اور یہ قیامت تک کے لئے ہمارا مقدر ہوگی۔ اُمّت مُسلمہ کا سربراہ اسی لقب سے یاد کیا جائیگا۔

نظام خلافت کی وُسعت

چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

حرف "انّی جاعلٌ" تقدیر او
از زمیں تا آسماں تفسیر او

علامہ اقبال آیت مذکورہ بالا کے حوالہ سے خلافت کی وسعت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور اسی نظام خلافت کو مُسلمانوں کی تقدیر (منشاءِ الٰہی) قرار دے رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ خلافت کی تفسیر و تعبیر زمین سے آسمان تک کی حکمرانی ہے یعنی تمام مُسلمان خواہ وہ کہیں ہوں خلافت کے گھیرے میں ہیں اور آسمان کے ملائکہ اس کے لئے دُعاگو ہیں۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ۔

اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کریں اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلیں کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیگی۔

(سورۃ ص ۲۶)

امت کا فریضہ خلافت کا قیام

اس آیت بالا سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ پیغمبر زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو جو منصب اقتدار عطا کیا اس کا نام "خلافت" ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" (الانعام ۹۰) اسکی رو سے امت پر فرض ہے کہ وہ اسی خلافتی نظام کو اختیار کریں اور کفار کے ساختہ پرداختہ جمہوری نظام کو دفع کریں کیونکہ خلافت کے نظام کے ثمرات امت مسلمہ کی وحدت اور روئے زمین پر غلبہ وقیادت ہے جبکہ جمہوری نظام نے امت میں افتراق وانتشار کو جنم دیا ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسکی شریعت کے مطابق جو نظام حکومت ہے وہ خلافت ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ خلیفہ اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ روئے زمین پر لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے حق (شریعت) کو چھوڑ کر اپنی ذاتی خواہش

پر عمل نہیں کر سکتا۔

(۵) پانچویں یہ کہ اگر وہ ذاتی خواہش پر عمل کرے گا تو گمراہ ٹھہرے گا۔ اور گمراہ شخص خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول کا نائب نہیں ہو سکتا۔

(۶) چھٹی یہ کہ شریعت کے مقابلہ میں خواہ کسی ایک بات میں ہی کیوں نہ ہو ذاتی خواہش پر عمل کرنے والا گمراہ ہے۔ اگر اس کا تعلق عمل سے ہے تو عملی گمراہی ہے جسکی رو سے وہ فاسق کہلائے گا اور اگر اس کا تعلق عقیدہ یا فکر سے ہے تو وہ اعتقادی یا فکری گمراہی ہے جسکی رو سے وہ بے دین یا بد مذہب کہلائے گا اور اہل سنت سے خارج ٹھہرے گا۔

وعدہ الٰہیہ

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

اللہ نے وعدہ کر لیا ہے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ان کے لئے ضرور جما دے گا ان کا دین جو ان کیلئے پسند فرمایا اور انہیں ان کے خوف کے بعد امن دے گا۔ میری عبادت کریں میرا شریک کسی چیز کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کریں تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

(سورۃ النور ۵۵)

نظامِ خلافت کی برکتیں

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کئے گئے وعدۂ خلافت کو پورا فرما دیا۔ انہیں خلافت بخشی، جیسی ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو بخشی تھی۔ اور اس خلافت کے نظام کی برکت سے ان کے دین کو زور دے کے زمین پر جما دیا اور غالب کیا اور اسکی برکت سے ان کے تمام خوف و خطر کو بھی امن و عافیت سے بدل ڈالا۔

اس آیہ مبارکہ سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نظامِ حکومت یا نظامِ سیاست، خلافت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر بنی اسرائیل تک کو جو نظام دیا اس کا نام خلافت رکھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے لئے جس نظام کے دینے کا وعدہ فرمایا اور اس وعدہ کے مطابق انہیں جو نظامِ حکومت بخشا اس کا نام خلافت رکھا۔ معلوم ہوا کہ اوّل سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نظامِ حکومت نظامِ خلافت ہی ہے۔

(۲) دُوسری یہ کہ باہمی انتشار و افتراق اور بیرونی خوف و خطر کا مکمل سدِ باب اسی نظامِ خلافت کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ آج جو ہمارے مُلک میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ غنڈہ گردی اور بدامنی کا دَور دورہ ہے۔ یہ مغربی نظامِ جمہوریت ہی کی پیداوار ہے ملک دو ٹکڑے ہوا اور باقی ماندہ طرح طرح کے خطروں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ اسی نظامِ جمہوری کے کرشمے ہیں۔ ان تمام فتنوں سے مُلک کو بچانے کا واحد راستہ اس مردُود جمہوری نظام کو دفع کرکے اسکی جگہ اسلام کا نظامِ حکومت، خلافت کا قائم کرنا ہی ہے۔

علامہ اقبال لکھتے ہیں ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

خلافت ایک شورائی نظام اور اس کا دستور قرآن و سنّت ہے

خلافت ایک شورائی نظام ہے جس کا دستور قرآن ہے۔ چنانچہ علامہ ڈاکٹر محمد محمود اپنی کتاب "الشوریٰ فی الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ

فالحكومة الإسلامية حكومة شورائية عادلة دستورها القرآن وهاديها المصطفى وسنته وليست الحكومة الأموية والعباسية دليلا عليها.

حکومتِ اسلامیہ ایک شورائیہ عادلہ حکومت ہے۔ جسکا دستور قرآن اور اسکے رہنما حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سُنت ہے اور اموی اور عباسی حکومتیں اسکی رہنما نہیں ہیں۔

(الشوریٰ فی الاسلام صہ ۹۱)

اسلامی ریاست کا دستور اقبال کی نظر میں

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

حاملِ آئین و دستور و ملوک — دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک
بندۂ حق مرد آزاد است و بس — ملک و آئینش خداداد است و بس
عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر — سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ — در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ
تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست — زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست

آں کتاب زندہ قرآن حکیم ۔ حکمت او لازوال است و قدیم

یعنی دستورِ ملوکیت! کا (اور مغربی جمہوریت جو اصل میں ملوکیت کی ایک شکل ہے) کا حاصل یہ ہے کہ جاگیردار اور گاؤں کے سردار، ملک کی دولت پر قابض ہو جاتے ہیں اور مزدور و کسان چرخے کے تکلے کی طرح ہوتے ہیں یعنی محنت مزدور و کسان کرتے ہیں اور دولت پر وڈیرے قابض ہوتے ہیں، مزدور و کسان بیچارے ان کی مفادات کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ بندۂ حق لوگوں کے (نام نہاد اسمبلی کے) خودساختہ آئین سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کا ملک اور آئین اللہ کا دیا ہوا (قرآن ہے) ہے۔ لوگوں کا بنایا ہوا آئین جو عقل خود بیں ہے، دوسروں کے (عوام) مفادات سے بے خبر ہے اسکے بنانے والے اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔"

"لیکن اسکے مقابلے میں خلافتِ اسلامیہ کا آئین جو اللہ تعالیٰ کی وحی ہے وہ سب کے مفادات کا برابر خیال رکھتا ہے۔ اسکی نگاہ میں سب کے مفادات و ضروریات برابر ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تمہارے استحکام کا راز کیا ہے؟ تمہارا آئین زندہ کتاب قرآنِ حکیم ہے، اسکی حکمت لازوال اور قدیم ہے۔"

اسکی تائید آیتِ کریمہ "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ"

"کہ جب تم میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو تو اُسے اللہ اور اسکے رسول (قرآن و سنت) کی طرف لوٹاؤ۔" یعنی قرآن و سنت ہی تمہارا دستور و آئین ہے اسکے ذریعے آپس کے اختلافات دُور کرو۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي"

"کہ میں تمہیں کتاب اللہ اور اپنی سُنت جیسا عظیم الشان دستور و آئین دے کر جا رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو گے میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔"

اور یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے قلم و دوات و کاغذ طلب فرمایا کہ کچھ لکھ دیں، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے اور مزید کچھ لکھ کر نہ دیا۔ جب صحابہ کرام نے قرآن کے بعد حضور علیہ السلام سے کچھ مزید لکھوانے کی ضرورت محسوس نہ کی تو ہمیں قرآن کے بعد لوگوں کے بنائے ہوئے آئین کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے آئین کو ترک کر کے خودساختہ آئین کو مقدس آئین کا درجہ دے دیا۔ اس پر علامہ اقبال کی روح تڑپ اٹھی چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

کون تارک ہے آئینِ رسُولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

(کلیاتِ اقبال ۲۰۲)

صالحین "خلیفہ نظامِ مملکت کو صالحین کے مشورہ سے چلاتا ہے اور صالحین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عائد کردہ و مقرر کردہ فرائض اور واجبات کے پابند اور اللہ اور رسُول کی طرف سے حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرنے والے ہوں۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

"أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کہ ان کا کام ان کے آپس کے مشورہ سے ہے۔
(الشوریٰ: ۳۸)

مشورہ کے اہل کون ہیں؟

رہا یہ سوال کہ مشورہ کے اہل کون لوگ ہیں؟ مغربی جمہوری نظام میں مشورہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اس لئے اسمیں مشیروں کی اہلیت کا کوئی تصور نہیں ہے جسے چاہا مشیر بنالیا نہ اسمیں مرد کی شرط ہے نہ عورت کی، یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ اسلام کے نام لیوا لوگوں کا اقتدار ہے مگر چونکہ ان کا اقتدار مغربی نظام کی پیداوار ہے اسلئے اسلام کا دم بھرنے کے باوجود ہمارے ارباب اقتدار نے عورتوں کو بھی اپنا مشیر بنایا ہوا ہے جبکہ اسلام کے نظام حکومت وسیاست میں نہ صرف یہ کہ عورتوں کو مشیر بنانا منع ہے بلکہ ہر مرد کو بھی مشیر نہیں بنایا جاسکتا ہے اسلام کے نظام حکومت وسیاست میں اسلام کے خلافتی نظام میں مشیر کے لئے شرط ہے کہ وہ مرد ہو، صالح ہو، عابد ہو، اللہ تعالی کی مقرر کردہ عبادات (فرائض وواجبات) کا پابند ہو قرآن وسنت کا علم رکھنے والا ہو، چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس میں قرآن کا کوئی فرمان نازل نہ ہوا ہو اور آپ سے بھی اسکے بارے میں کوئی فرمان نہ سنا ہو تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا کہ

اجمعوا له العابد من امتي واجعلوه بينكم شورىٰ ولا تقضوه برأي واحد۔

اس کے لئے میری امت کے عبادت گزاروں (علماء دین) کو اکٹھا کرلینا اور اس کے بارے میں آپس میں مشورہ کرنا اور کسی ایک کی رائے سے اس کا فیصلہ کرنا۔

٭ ٭ ٭

اس میں لفظ "العابد" بتارہا ہے کہ مشورہ کے اہل صرف وہ لوگ ہیں جو صالحین ہوں، عبادت گذار ہوں، شریعت کے پابند ہوں، عابد سے جاہل عبادت گذار مراد نہیں بلکہ اس سے علماء دین عبادت گذار مراد ہیں جو کتاب وسنت کی روشنی میں عبادت کے طور طریقوں، عبادت کے فرائض واجبات وآداب سے واقف ہیں کیونکہ جاہل عبادت گذار کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کی مثال گذر چکی ہے کہ گدھے کی سی ہے جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ چلتا رہتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ وہ سفر کر رہا ہے اور کئی منزلیں طے کرچکا ہے لیکن جب اس کی آنکھوں سے پٹی کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو وہاں پاتا ہے جہاں پہلے تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

بے علم کی عبادت:

المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون (مقال الوفا ص۱۱)

ترجمہ: "بغیر علم فقہ جانے عبادت کرنے والا چکی کے گدھے کی طرح ہے"۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا خير في عبادة لا علم فيها (حلية الاولياء ج۱ ص۷۷)

"یعنی علم دین کے بغیر عبادت میں کوئی بھلائی نہیں"۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جس کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں کامیابی ہے۔

موجودہ حکومتوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ :

موجودہ حکومتیں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اہم فرمان کی پابندی نہیں کرتیں اور نااہل لوگوں کو مشیر کے درجہ پہ فائز کرتی ہیں اس لئے ناکام ہو جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

استرشدوا العاقل من امتی ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا۔ (درمنثور جلد ۲ ص ۱)

"میری امت کے عقلمندوں (علماء وفقہا) سے مشورہ لینا کامیاب ہو جاؤ گے، عالم دین کی رائے کے خلاف نہ کرنا ورنہ پشیمان ہو جاؤ گے"

اس حدیث میں لفظ "العاقل" آیا ہے اس سے بھی علماء مراد ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔ "کہ اس کی علماء ہی عقل رکھتے ہیں"

(العنکبوت ۴۳)

عقلمند کون ؟

معلوم ہوا کہ قرآن کے محاورہ میں عاقل علماء ہی ہیں۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو علماء سے ہی مشورہ لینا کامیاب ہو جاؤ گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ :

من احل حلال اللہ وحرم حرامہ یسمی عاقلا

(حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۲۱)

"جو شخص اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانے اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانے اُس کا نام عاقل رکھا جائے گا"

اور ظاہر ہے کہ اللہ کے حلال کئے ہوئے اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حلال وحرام وہی جانے گا جسے اللہ کے حلال وحرام کا علم ہوگا لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یعنی حدیث) کا علم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلمند صرف علماء دین ہی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا کہلاتا ہو عقلمند نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن علی القلعی متوفی سنہ ۶۳۰ھ اپنی کتاب "تہذیب الریاسۃ وتہذیب السیاسۃ" میں، جو اسلام کے نظام سیاست پر عمدہ کتاب ہے لکھتے ہیں کہ :

من حق العاقل ان یضیف الی رأیہ رأی العلماء والی عقلہ عقول الحکماء ویدیم الاسترشاد۔ (ص ۱۸۴)

"عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ درپیش مسائل میں علماء سے مشورہ لے اور ان کی رائے پر عمل کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کی مشکلات حل ہوں گی اور پریشانیاں دور ہوں گی"

علامہ ڈاکٹر محامی محمود "الشوریٰ فی الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ :

شروط اھل الشوریٰ العدالۃ والعالم والعلم المقصود الاصلی۔ (ص ۴۲، ص ۴۳)

"یعنی شوریٰ (مشیر) کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اور عالم ہو اور علم تو مقصود اصل ہے"

علم صرف شریعت کا علم ہے

اور علم سے مراد شریعت کا ہی علم ہے۔ انگریزی زبان یا چینی زبان جاننے یا انگریزی قوانین کے جاننے یا انجینئرنگ یا ڈاکٹری کے جاننے یا سائنس جاننے کا نام علم نہیں ہے، کیونکہ یہ علوم نہیں فنون ہیں۔ جس علم سے انسان کو صاحبِ علم یا عالِم کہا جائے گا وہ صرف شریعت کا ہی علم ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

(۱) " العلماء ورثۃ الانبیاء

"علماء نبیوں کے وارث ہیں جنہوں نے پیغمبروں سے علم کی وراثت پائی۔" (صحیح بخاری جلد ۱ صـ۱۶)

ایک اور حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

(۲) اکرموا العلماء فانھم ورثۃ الانبیاء فمن اکرمھم فقد اکرم اللہ ورسولہ (جامع صغیر امام سیوطی علیہ الرحمۃ جلد ۱ صـ۵۵)

"علماء دین کی تعظیم کرو۔ پس بلاشبہ علماء دین نبیوں کے وارث ہیں تو جس نے علماء دین کی تعظیم کی یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم کی۔"

ایک حدیث میں ہے:

(۳) لَیْسَ مِنِّیْ اِلَّا عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ (جامع صغیر جلد ۲ صـ۱۴۳) "دین کا عالم اور متعلم ہی مجھ سے ہے۔"

اس کی شرح میں امام عبدالرؤف علیہ الرحمۃ "فیض القدیر شرح جامع صغیر" میں فرماتے ہیں:

ای لیس بمتـ [illegible] ی الا عالم العلم الشرعی النافع او متعلم لذلک وما سواھما فغیر متصل بی۔ (فیض القدیر جلد ۵ صـ۳۸۹)

"کہ میرے ساتھ متصل (یعنی ملا ہوا کہ جس کا مجھ سے براہِ راست تعلق ہے وہ) آخرت میں نفع دینے والے علم شریعت کا عالم ہے اور اس علم کا سیکھنے والا اور ان دو کے علاوہ دوسرے لوگوں کا مجھ سے اتصال (براہِ راست) تعلق نہیں۔"

برادرانِ اسلام! اس حدیث سے علماء کرام اور طالبین علم دین کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ میرے ساتھ براہِ راست علماء دین کا ہی تعلق ہے یا ان لوگوں کا جو علم دین سیکھ رہے ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو "سنن دارمی" کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے کتاب العلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی مسجد میں دو گروہوں سے گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس گروہ کے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں اور اس سے دعائیں کر رہے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان کو عطا کرے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ اور یہ دوسرے گروہ کے لوگ، (اس کے بعد حدیث کے الفاظ یوں ہیں):

فیتعلمون الفقه او العلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیھم۔

"تو شریعت کا علم یا (فرمایا دین کا) علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو عالم

بنانے میں مشغول ہیں پس یہ لوگ افضل ہیں۔ اور مجھے علم سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔" یہ فرما کر آپ انہی علم سیکھنے سکھانے والوں میں تشریف فرما ہو گئے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء دین جو علم سکھانے میں مصروف ہیں عبادت گذار صالحین سے افضل ہیں اور یہ کہ علم دین کو پھیلانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہے اور یہ کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانا ہو وہ آپ کو ان صحیح العقیدہ علماء (اہلسنت) میں پائے گا جو قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم و تدریس میں مصروف عمل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علماء دین اور دین کے طالب علم ہی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں اور ملے ہوئے ہیں۔ اس لئے علماء دین کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیوں کا وارث ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ انبیاء سے شریعت اور دین کا ہی علم ملا ہے، وہ دوسرے فنون نہیں سکھاتے۔ جیسا کہ اس حدیث کی شرح میں امام محمد بن یوسف الکرمانی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۸۶ھ "الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری" میں اسی حدیث صحیح بخاری کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لیس العلم المعتبر الا المأخوذ من الانبیاء وورثتھم علی سبیل التعلم والتعلیم فیفھم منہ ان العلم لا یطلق الا علی علم الشریعۃ لھذا لو اوصی رجل للعلماء لا یصرف الا علی اصحاب الحدیث والتفسیر والفقہ۔

"یعنی جسے علم کہا جائے وہ وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا اور ان کے وارثین علماء دین سے پڑھنے اور پڑھانے کے طریقے پر حاصل کیا گیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ علم صرف شریعت کا علم ہے

اور اسی لئے یہ مسئلہ مسلّمہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا مال علماء پر خرچ کیا جائے تو اس کا مال حدیث و تفسیر و فقہ کے علوم رکھنے والوں پر ہی خرچ کیا جائے گا کسی اور پر نہیں۔

(الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱)

لہٰذا اسلامی حکومت کا سربراہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے علوم رکھنے والے علماء دین کو ہی اپنا مشیر بنائے گا اور مشیروں کے لئے جس علمی صلاحیت کی شرط ہے اس سے قرآن و سنت اور فقہ کا ہی علم مراد ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ علماء دین ہی ہیں جن سے مشورہ لیا جائے اور انہی کے مشوروں پر عمل کیا جائے تو حکومت عدیم النظیر کامیابی سے ہمکنار ہو گی اور جو کام بھی علماء حق کے مشوروں سے کریں گے وہ کام درست ہو گا ورنہ غلط۔

خلافت مشورہ سے ہی ہے:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لا خلافۃ الا عن مشورۃ — خلافت باہمی مشورہ سے ہی ہے

(کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۶۴۸)

یعنی خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجلس شوریٰ سے مشورہ کرے، خلافت آمریت (ڈکٹیٹر شپ) نہیں ہے جو لوگ خلافت کو بدنام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت آمریت (ڈکٹیٹر شپ) کا نام ہے وہ اسلام کے نظام خلافت سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس نے مسلمانوں کو خلافت جیسا مقدس نظام حکومت دیا ہے خود فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کا کام آپس کے مشورہ سے ہی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خلافت آمریت ہے اسلام کے نظام حکومت (خلافت) سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

﴿ نیب ﴿ نیب ﴿

اسلام کا اپنا نظامِ سیاست ہے اُسے مغربی جمہوریت کی ضرورت نہیں

بلاشبہ اسلام کا اپنا نظامِ حکومت و نظامِ سیاست ہے اُسے مغرب کے جمہوری نظام کی ہرگز حاجت نہیں ہے۔ ہم اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں بلکہ ہر مسلمان کو اس پر یقین رکھنا چاہئے کہ اسلام ایک ہمہ گیر نظام ہے اس کا تمام نظام اپنا ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت اور آپ کے خلفاءِ راشدین کی تعلیمات اور امتِ مسلمہ کے ائمۂ دین و مجتہدین کی علمی تحقیقات و تشریحات کی شکل میں ہمارے پاس اپنی اصل شکل میں موجود ہے جو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ: ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا"

جب ہمارا دین مکمل ہے اور یقیناً بلاریب ہر لحاظ سے مکمل ہے تو پھر ہم اپنے ملک میں اپنے معاشرہ میں اور اپنی عملی زندگی میں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی مذہبی ہو یا سیاسی، اسی نظام کو ان مقدس ہستیوں کی پیروی میں اور ان کے حوالہ سے کیوں نہ نافذ کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واضح طور پر ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

(سورہ فتح)

"اور وہ لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہیں (آپ کے صحابہ) وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں"

اور جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو میرے بعد زندہ رہا وہ عنقریب امت میں بہت اختلاف دیکھے گا۔ اس وقت:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور۔ (مشکوٰۃ شریف)

"تم پر میری اور میرے خلفاءِ راشدین جو ہدایت کے سرچشمہ ہیں، کی سنّت کو اختیار کرنا لازمی ہوگا۔ میری اور میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنتوں کو (طریقوں کو) داڑھوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا اور نئے طریقوں سے بچنا"

ایک حدیث میں فرمایا کہ ہر نیا طریقہ (جو میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کے طریقوں کے خلاف ہے) وہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔ یعنی اس کا پیروکار دوزخ میں جائے گا۔

مغربی جمہوری نظام خلافِ اسلام ہے:

یہ نام نہاد جمہوری نظام جو مغرب کی پیداوار ہے قطعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے خلفاءِ راشدین کے طریقۂ حکومت و نظامِ سیاست کے خلاف ہے لہٰذا یہ بدعتِ قبیحہ ہے اور اس کے اختیار کرنے والے اور اس کو نافذ کرنے والے اپنا انجام دیکھ لیں، دنیا میں ہی دیکھ رہے ہیں کہ ملک کی سیاست حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دو دھڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی امن و سکون سے حکومت نہیں کر سکتا۔ ہمارے ملک میں دیکھ لیجئے اس مغربی جمہوری نظام نے ہمیں کیا دیا۔ ملک دو ٹکڑے ہوا۔ صوبائی عصبیت عروج کو پہنچی ہے۔ لسانی فتنے

ترقی پذیر ہیں۔ اسمبلیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ڈاکوؤں جسے جب چاہیں اغوا کرلیں، قتل کردیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر، علم رخصت ہوا۔ اور پوری قوم کھلاڑیوں اور فلمی اداکاروں کی پرستار ہو چکی ہے اور خود حکمران بھی علم و ہنر کی بجائے کھلاڑیوں اور فلمی اداکاروں کے گرویدہ نظر آتے ہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حزبِ اختلاف حزبِ ابلیس ہے :

مغرب کے جمہوری نظام میں حزبِ اختلاف کا وجود ضروری ہے۔ اس جمہوری نظام کو حزبِ اختلاف کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ مغربی طاقتیں حزبِ اقتدار کو اپنے ظالمانہ پنجوں میں جکڑنے کے لئے اور اس سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے اور اسے اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے ہمیشہ حزبِ اختلاف کو اکساتی ہیں۔ اسے دانہ پانی ڈالتی اور طاقتور رکھتی ہیں اور اس کی پشت پناہی کرتی ہیں تاکہ اگر حزب اقتدار ان کے اشاروں پر نہ ناچے تو حزبِ اختلاف کے ذریعے اس کا تختہ الٹ دیا جائے جس کے نتیجے میں حزبِ اقتدار مغربی طاقتوں کے اشاروں پر چلتی ہے تاکہ اس کا اقتدار تا دیر قائم رہے۔ لہٰذا حزبِ اقتدار خدا و رسول کی مرضی پر چلنے اور اسلام کو نافذ کرنے کی بجائے اپنے مغربی آقاؤں اور خصوصاً امریکہ کے پیچھے چلتی ہے اور یوں سارا ملک مغرب کا اور غیر مسلم طاقتوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں ؎

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تُو ۔۔۔ مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

شوریٰ خلیفہ کو معزول کرسکتا ہے :

اسلام کے نظامِ خلافت میں خلیفہ مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ وہ شوریٰ کے

زیرِ سایہ ہوتا ہے وہ شوریٰ حزبِ اختلاف نہیں حزبِ معاون اور خلیفہ کو راہِ راست پر رکھنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں بلکہ اسلام کا نظامِ حکومت شورائی نظام ہے اس میں شوریٰ کو یہ اختیار ہے کہ اگر سربراہ درست نہ چلے تو شوریٰ اسے معزول کرسکتی ہے۔ کتابوں میں ہے کہ شوریٰ خلیفہ کو بلاوجہ شرعی معزول نہیں کرسکتی۔ ہاں جب خلیفہ کا حال خراب ہو جائے تو کرسکتی ہے۔ چنانچہ سیاستِ اسلامیہ کے عظیم مفکر امام ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی سنہ ۴۵۰ھ "احکامِ سلطانیہ" میں فرماتے ہیں کہ:

لم یکن لاھل الاختیار عزل من بایعوہ اذا لم یتغیر حالہ۔ (الاحکام السلطانیہ ص۱۱)

یعنی خلیفہ کا اگر حال متغیر ہو جائے جس کی وجہ سے وہ خلیفہ کے منصب کا اہل نہ رہے تو شوریٰ اسے معزول کرسکتی ہے۔

اور فتاویٰ شامی میں ہے :

ان للامۃ خلع الامام وعزلہ بسبب یوجبہ مثل ان یوجد فیہ مایوجب اختلال احوال المسلمین وانتکاس امور الدین کما کان لھم نصبہ واقامتہ۔

(فتاویٰ شامی ج ۴ ص ۲۶۳)

بلاشبہ امت (کے اہل حل وعقد) کو کسی ایسے سبب سے جو خلیفہ کی معزولی کو ضروری قرار دیتا ہو خلیفہ کو معزول کرنے کا حق ہے مثلاً اس کے عہد میں مسلمانوں کے حالات میں خلل پڑ رہا ہو۔ دین کے امور کمزور ہو رہے ہوں جیسا کہ انہیں اُسے خلیفہ مقرر کرنے کا حق ہے (اسی طرح اُسے معزول کرنے کا بھی ان کو حق ہے)

حزب اختلاف کا تصور شیطانی تصور ہے :

لہٰذا نظامِ خلافت چونکہ نیابتی نظام ہے۔ یعنی اس نظام کا چلانے والا حکمران جسے خلیفہ کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب و قائم مقام متصور ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں حزب اختلاف کا تصور گمراہی ہے۔ ہاں تعمیری واصلاحی انداز سے تنقید کی مکمل اجازت ہے۔ چنانچہ ایک عام آدمی نے قمیص کے معاملہ میں اور ایک عورت نے حق مہر کے معاملہ میں حضرت عمرؓ پر تنقید کی تھی اس لئے اس میں حزب اختلاف کا تصور نہیں، یہ ابلیسی تصور ہے۔ چنانچہ خلافت کی بحث کرتے ہوئے کہ خلیفہ قریش میں سے ہوگا۔ امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں امام طبرانی کی معجم کبیر و معجم اوسط کے حوالہ سے ایک حدیث شریف نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ :

قریش اھل اللہ فاذا خالفتھا قبیلۃ من العرب صاروا حزب ابلیس ۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۵)

قریش اللہ والے ہیں تو عرب کے کسی قبیلہ کے لوگ اس کی مخالفت کریں گے تو وہ حزب شیطان قرار پائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کی پوری بحث آگے آرہی ہے یعنی سب سے پہلے خلافت قریش میں ہوگی۔ قریش ہی اللہ والے ہوئے۔ یعنی قریش سے ہی دینِ اسلام کا آغاز ہوا، انہوں نے اپنی جانیں قربان کیں، اپنے مال قربان کئے، اپنا کنبہ تک قربان کردیا، دین کے لئے وطن چھوڑا، ہجرتیں کیں، جہاد کئے، غرضیکہ انہوں نے اپنے خون سے اسلام کی آبیاری کی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان سے بھی ہوئے، اسلام کے لئے ان کی قربانیاں

بھی سب سے زیادہ ہیں، لہٰذا خلافت کے اولین حقدار قریش ہیں۔ جب کوئی خلیفہ منتخب ہوجائے تو انفرادی و اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے تعمیری کاموں اور بھلائی میں اس سے تعاون اور اس کی اطاعت لازم ہے، جو قبیلہ خواہ عرب کا ہی ہو اس کی مخالفت کرے گا وہ حزب ابلیس ہوگا شیطانی گروہ ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام کے نظامِ خلافت میں اختلاف کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اہلِ مغرب اسے آزادیٔ رائے کا نام دیتے ہیں۔ بلاشبہ اسلام رائے کی آزادی دیتا ہے مگر کس رائے کی آزادی۔

آزادیٔ رائے کا مطلب :

یاد رکھنا چاہئے کہ لفظِ رائے بلندیٔ فکر کو کہتے ہیں، ایسی فکر جو فکرِ خداداد ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت اور بزرگانِ دین کی تعلیم ہے۔ اس فکر خداداد کو اسلام نے نہ صرف اچھا تصور کیا ہے بلکہ اس فکر کی دعوت دی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (سبا ۴۶) ترجمہ : پھر تم فکر کرو۔

سارے قرآن مجید میں ۱۸ جگہ فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور بار بار فرمایا گیا :

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیات کہیں تم فکر کرو۔

(البقرہ ۲۱۹ - ۲۶۶)

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات عربی زبان میں ہیں اور لوگوں کے ترجموں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ہر فرقہ اپنے ہی ذہن کے مطابق ترجمہ کرتا ہے جس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے لہٰذا کسی کے ترجمہ پر انحصار کرنے والا غلطی کھا سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کی آیات میں فکر کرنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کے لئے عربی زبان اور اس کے اصول پر مکمل عبور ہو اور عربی زبان پر سب سے

زیادہ عبور علماء دین کو ہے لہٰذا صحیح فکر بھی انہی کی ہوگی اور انہی کی رائے اور فکر کو اولیت و ترجیح دی جائے گی۔

نبیوں کے وارث، اللہ کے امین اور دین کے صحیح محافظ:

کیونکہ حدیث شریف میں علماء کرام کے بارے میں فرمایا گیا:

(۱) العلماء مصابیح الارض وخلفاء الانبیاء وورثتی وورثۃ الانبیاء۔

کہ علماء زمین کے چراغ ہیں، پیغمبروں کے جانشین، میرے اور پیغمبروں کے وارث ہیں۔

(۲) العلماء امناء اللہ علی خلقہ۔

یعنی علماء اللہ کی مخلوق پر اللہ کے امین ہیں۔

(۳) اَلْعُلَمَاءُ قَادَۃٌ۔

یعنی علماء ہی قائد (سچے راہنما) ہیں۔

لہٰذا صحیح فکر اور صحیح رائے انہی اہل علم و علماء حق کی ہے جو اللہ کی آیات کا علم رکھتے ہیں۔ ان کی فکر خداداد فکر ہے لیکن جو لوگ قرآن و سنت کے علوم سے ناواقف ہیں اُن کی آراء و افکار کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اگر علماء حق کے مقابلہ میں وہ اپنے افکار لائیں گے تو وہ شیطانی افکار ہوں گے۔ چنانچہ علامہ اقبال رح کہتے ہیں ؎

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد (ص ۴۶)

خلیفہ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے:

لیکن اس کے باوجود خلیفہ پر تنقید کی جا سکتی ہے اور اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے مگر تنقید برائے تنقید اور اختلاف برائے اختلاف نہیں،

یعنی مغربی جمہوری نظام کی طرح حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے کے لئے نہیں بلکہ حسب ضرورت اور حد ضرورت تک، آداب و اخلاق کے دائرہ میں رہ کر اور کتاب و سنت کی روشنی میں اور معقولیت کے ساتھ خلافت اسلامیہ کا دستور جو کہ قرآن ہے۔ یہ دستور اصحاب رائے کو خلیفہ سے اور اس کے عمال اور حکام سے اختلاف رائے کا حق دیتا ہے۔ چنانچہ اس دستور مقدس کا مطلوبہ متن درج ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: ۵۹)

پھر اگر تم کسی چیز کے بارے میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

اس آیت شریفہ میں حاکم و محکوم، حاکم و رعایا اور سربراہ مملکت سے لیکر ایک عام آدمی تک سب کو خطاب ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میں کسی چیز کے بارے میں کوئی اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو تو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم آپس کے اختلاف کا حل قرآن اور سنت سے ڈھونڈو گے۔ اور یہ خطاب عام ہے سب کے لئے۔

اس آیت سے درج ذیل باتیں واضح ہوگئیں۔

(۱) خلیفہ سے اختلاف رائے کیا جا سکتا ہے۔ اس پر تعمیری انداز میں اور جائز و مناسب طریقہ سے تنقید کی جا سکتی ہے۔ بلکہ خلیفۂ وقت خود کو کبھی بھی

تنقید واصلاح سے بالاتر نہیں سمجھتا۔ اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

فإن احسنت فاعینونی وان اسأت فقوّمونی الصدق امانۃ والکذب خیانۃ والضعیف فیکم قوی عندہ حتی ارجع علیہ حقہ انشاء اللہ والقوی فیکم ضعیف حتی اخذ الحق منہ انشاء اللہ ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۰۱)

پس اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں برا کروں تو مجھے سیدھا کر دینا، سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے اور تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے حتیٰ کہ میں اس کا حق اُسے دلواؤں انشاء اللہ اور تم میں قوی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے کمزور کا حق لے لوں انشاء اللہ ۔

اس میں خلیفۂ وقت نے اعلان فرمایا کہ اگر وہ اچھے کام کریں تو اُن کی مدد کی جائے اور اگر وہ غلط کام کریں تو نہ صرف یہ کہ ان پر تنقید کی جائے اور ان سے اختلاف کیا جائے بلکہ اُن کو راہِ راست پر لایا جائے ۔

اسلام کا کوئی خلیفہ یا حکمران کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو حضرت ابوبکر صدیق سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہر حاکم ہر امیر سے بطریقِ اولیٰ اختلاف کیا جا سکتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا خلافتی نظام آمریت اور ڈکٹیٹرشپ نہیں بلکہ یہ شورائی نظام ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے ؎

آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں   کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیارے

علامہ اقبالؒ کا پسندیدہ نظام ، نظامِ خلافت ہے :

نیز ہمارے شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبال مرحوم بھی اسلام کے خلافتی نظام ہی

کے پرستار تھے اور اسی کے بحال کرنے کی دعوت دیتے تھے ؎

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری
مردِ درویش! خلافت ہے جہانگیر تیری

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار ٭ لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

ہمارے ملک پاکستان کے عوام و خواص ، اور حکمران بالعموم اور اربابِ مسلم لیگ بالخصوص علامہ اقبال کے مداح ہیں ، سڑکوں ، سکولوں ، کالجوں اور پارکوں کے نام تک علامہ اقبال کے نام پر رکھے ہوئے ہیں ۔ لاہور میں ایک عظیم الشان عمارت "ایوانِ اقبال" کے نام سے تعمیر ہوئی ہے ۔ علامہ اقبالؒ سے اس حد تک عقیدت و محبت کے مظاہرے کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں مگر افسوس کہ ان کے پسندیدہ نظریہ ، نظریۂ خلافت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ، یہ کیسی عقیدت ہے کہ شخصیت سے عقیدت کا اظہار مگر اس کے نظریہ سے بے زار لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ عقیدت نہیں ۔ ریاکاری اور دھوکہ ہے ۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک جمہوری نظام ملک و ملت کے لئے تباہ کن ہے

اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک جمہوری نظام ملک و ملت کے لئے تباہ کن ہے ۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوری نظام کی خرابیاں علامہ اقبالؒ کی نظر میں :

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اس جمہوری نظام کی ایک تو سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں بندوں کو گنتے ہیں تولتے نہیں ، اس میں جاہل اور عالم ، احمق اور عقلمند

رائے (ووٹ) برابر ہے۔ حالانکہ یہ قطعی طور پر عقل و دانش کے خلاف ہے ایک طرف دس احمق اور جاہل ہوں اور دوسری طرف نو اہل علم و دانش ہوں تو حکومت دس احمقوں کی ہوگی۔ احمق حاکم اور عالم و دانشور محکوم ہوں گے۔

سب انسانوں کی رائے اور شخصیت کو ایک درجہ میں شمار کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے

سب انسانوں کی رائے اور شخصیت کو ایک درجہ میں شمار کرنا قرآن و سنت اور اسلامی ہدایات کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

(الزمر ۹)

یعنی کہہ دیجئے کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اُن کا ووٹ یا اُن کی رائے بھی برابر نہیں ہو سکتی۔

(۲) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (الرعد: ۱۶)

کیا اندھا (بے علم) اور آنکھوں والا (عالم دین) برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے تو پھر ان کی رائے یا ان کا ووٹ ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ہرگز ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مغربی جمہوریت سراسر قرآن کے خلاف ہے۔

(۳) هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (النحل: ۷۶)

کیا وہ جو انصاف کا حکم نہیں دیتا اور سیدھے راستہ پر نہیں چلتا اور وہ جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور سیدھے راستہ پر چلے

دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں)

(۴) لوگوں کی اکثریت فاسق ہے۔ (المائدہ: ۵۹)

(۵) لوگوں میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں (الزخرف: ۸)

(۶) لوگوں میں سے اکثر ایمان کے تقاضوں پر نہیں چلتے۔

(۷) لوگوں کی اکثریت عقل و شعور سے خالی ہے۔ (المائدہ: ۱۰۳)

(۸) لوگوں کی اکثریت جہالت کا شکار ہے۔ (الانعام: ۱۱۱)

(۹) لوگوں کی اکثریت اللہ کی ناشکری ہے۔ (غافر: ۶۱)

(۱۰) اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی رائے مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بہکا دیں گے۔ (انعام: ۱۱۶)

(۱۱) کہہ دو گندے عمل والے اور پاکیزہ عمل والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ گندوں کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔ (سورۃ انعام: ۷)

یعنی ان کی کثرت میں رعب اور دبدبہ ہے اس کی وجہ سے انسان ان کی کثرت سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ تو قرآن نے واضح کر دیا کہ گندے اور پاکیزہ برابر نہیں لہٰذا تم گندوں کی کثرت سے مرعوب نہ ہوا کرو بلکہ پاکیزہ لوگوں کو چنا کرو اور پاکیزہ لوگوں کا ساتھ دیا کرو اور ان کی رائے کو اہمیت دیا کرو۔

(۱۲) وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ۔

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ وہ جو ایمان لائے۔ اور اچھے کام کئے اور نہ بدکار۔ کتنا کم دھیان کرتے ہو۔ (المؤمن ۵۸)

یعنی جاہل اور عالم یکساں نہیں اور مومن صالح اور بدکار یہ دونوں بھی برابر

نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے مغربی جمہوری نظام کی جڑ اکھیڑ کر رکھ دی ہے اس کے باوجود جو مسلمان کہلائے پھر مغربی جمہوری نظام کے پیچھے چلے اور اسے اپنائے وہ تارک قرآن ہے ؎

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ مغربی جمہوریت قرآن کے قطعاً منافی ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا دیا ہوا نظامِ سیاست و حکومت جسے خلافت کہتے ہیں عین قرآن و سنت کا مدعی ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہوں گے۔

(الحدیث رواہ الامام السیوطی فی حسن المحاضرہ)

ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ مغربی جمہوریت کا قلع قمع اور خاتمہ کر کے اس کی جگہ نظام خلافت جو ایک بہترین شورائی نظام ہے " لا خلافۃ الا عن مشورۃ" (کنز العمال) کہ خلافت شورائی نظام ہی ہے، کو فروغ دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں بلکہ اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ اسی میں امت مسلمہ کی فلاح ہے اور آج یہی جہاد اکبر ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

؎ ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

جمہوریت چنگیزیت ہے:

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآن مجید کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ جمہوریت مروجہ قطعاً غلط نظام ہے۔ علامہ اقبال اس پر مزید تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

یعنی مغرب کا جمہوری نظام بہ ظاہر خوبصورت مگر اندر سے چنگیز سے بھی سیاہ ہے۔ یہ نظام امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا ہے۔ یہ نظام جاہلوں کو اہل علم پہ اور گھٹیا لوگوں کو شریف لوگوں پر مسلط کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اس جمہوری نظام کی مذمت میں ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

جمہوریت ظالمانہ نظام ہے:

؎ مے کند بند غلاماں سخت تر
حریت مے خواند او را بے بصر

ترجمہ: جمہوریت غریبوں کو مزید ظلم کے پنجے میں جکڑ کر رکھ دیتی ہے اندھا اسے آزادی کا نام دیتا ہے۔

یعنی جمہوریت ایک ظالمانہ نظام ہے اور یہ مطلق العنان ملوکیت ہی کی ایک شکل ہے بلکہ بدترین شکل ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

گرمیِ ہنگامۂ جمہور دید
پردہ بر روئے ملوکیت کشید

ترجمہ: اس نے ہنگامۂ جمہور کی گرمی دیکھی۔ ملوکیت کے منہ پر پردہ کھینچ دیا اور اندر سے ملوکیت کو نہ دیکھا یعنی ملوکیت جمہوریت کے بھیس میں آگئی۔

؎ الحذر از گرمیِ گفتار او
الحذر از حرف پہلو دار او

ترجمہ : جمہوریت کے شوروغوغا سے خوف کرو، اس کے پہلودار
حرف کے خطرناک نتائج سے خوف کرو۔

مسلمانوں کا دستور و آئین :

نیز سورۂ نساء کی مذکورہ آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے
کہ مسلمانوں کا دستور و آئین قرآن وسنت ہے۔ اس لئے باہمی اختلاف کے
وقت اسی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بندوں کا بنایا ہوا دستور
و آئین بے کار ہے اور حدیث شریف میں بھی یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے کتاب وسنت کو ہی مسلمانوں کا دستور و آئین
قرار دیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دو
چیزوں پر عمل پیرا ہوگے اور ان کو تھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہی
علامہ اقبالؒ کا خیال ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست — زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست

ترجمہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تمہارے
استحکام و تمہاری قوت کا راز کیا ہے ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال ست و قدیم

ترجمہ تمہارا دستور و آئین زندہ کتاب قرآن حکیم ہے۔ اس کی حکمت
دائمی و قدیم ہے ؎

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

ترجمہ : وہ انسانی زندگی کے تخلیق کے اسرار کا نسخہ ہے، اس کی
قوت سے غیر مستحکم، مستحکم ہو جاتا ہے ؎

حرف او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

ترجمہ : اس کے کسی حرف میں شک نہیں اور نہ ہی تبدیلی کا امکان
ہے۔ اس کے احکام میں رد و بدل ممکن نہیں۔

جبکہ بندوں کے بنائے ہوئے اور جاہلوں اور دین سے بے خبر
ممبرانِ اسمبلی کے بنائے ہوئے دستور آئے دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں
بلکہ ہر آنے والا حکمران ان کے دستور کی دھجیاں بکھیرتا رہتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا دستور و آئین تبدیل وتحریف
سے پاک اور آخری ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے بلکہ دنیا ایسا دستور و آئین
لانے سے عاجز ہے۔ یہ آئین بھی ہے معجزہ بھی ہے اور رحمت بھی۔ علامہ اقبالؒ
فرماتے ہیں ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعٰلمین

ترجمہ : یہ بنی نوعِ انسان (تمام انسانوں) کے لیے خدا کا آخری پیغام
ہے۔ اس کے لانے والے رحمۃ للعلمین ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

؎ رہزناں از حفظِ او رہبر شدند — از کتابے صاحبِ دفتر شدند

ترجمہ : اس کی تعلیم سے ڈاکو بھی قوموں کے راہنما بنے۔ اس ایک کتاب
کے علم سے بہت علوم کے حامل ہو گئے۔

نمبر۳ : اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مسلمان اللہ پر اور آخری دن پر یقین
کامل رکھتا ہے، وہ قرآن وسنت کے سوا کسی اور چیز کو اپنے ملک کا دستور
و آئین تسلیم نہیں کرے گا۔

پورے عالم اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہونا ضروری ہے

قرآن وسنت اور عقائدِ اسلام سے یہی ثابت ہے کہ پورے عالم اسلام
کا ایک ہی خلیفہ و حکمران ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ

اسے خلیفہ، خلیفۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، امیر المومنین یا امام، کوئی
بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا
نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ہ (آل عمران، ۱۰۳)

اور تم سب مسلمان اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام
لو اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو
جب تم میں دشمنی تھی تو اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو تم اس
کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا ایک تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنے اپنے نام نہاد آزاد
ممالک کے درمیان باہمی حد بندیوں کو ختم کر کے ایک عظیم الشان اسلامی ریاست
قائم کریں اور دوسرا یہ کہ ایک ہی خلیفہ مقرر کریں۔ اور تیسرا یہ کہ اپنا ایک ہی
دفاع بنائیں۔ اور چوتھا یہ کہ ایک ہی کرنسی مقرر کریں اور پانچواں یہ کہ الگ الگ
جوازات (پاسپورٹس) ختم کر کے اپنی جنسیت وقومیت ایک ہی بنائیں یعنی (مسلم)
اور یہ وہ قومیت ہے جو اسلام نے ہمیں دی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام و
ایمان کے انمٹ رشتے میں پرو کر ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور جب ہم سب
بھائی ہیں تو ہماری جنسیت وقومیت الگ الگ کیوں؟ بلاشبہ ہماری جنسیت ایک
ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ ہمارے جوازات پر قومیت کے خانہ میں صرف
(مسلم) ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو آپس میں الگ الگ پاسپورٹوں، قومیتوں اور ویزوں
کی پابندیوں میں جکڑنا اسلام کے ساتھ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے

کہ ان اسلام دشمن سازشوں اور حد بندیوں کو ختم کر دیں ؎

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا پیچ کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

تمام عالم اسلام کی ایک ہی قومیت ہے:

ہم قرآن وسنت کی رو سے یقین رکھتے ہیں کہ تمام عالم اسلام کی اور
دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک ہی قومیت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام
ہے۔ چنانچہ سنن نسائی شریف میں ہے:

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض
غزواتہ فمر بقوم فقال مَن القوم؟ فقالوا نحن
المسلمونَ (سنن نسائی، کتاب المناسک ج ۲، ص [illegible])

ہم بعض غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے
تو آپ کا ایک گروہ سے گذر ہوا آپ نے ان سے پوچھا تم کونسی
قوم ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہیں۔

(۲) دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالروحاء فلقی رکباً
فسلم علیہم فقال مَن القوم؟ فقالوا المسلمون۔
(سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحاء کے مقام پر تھے تو آپ کچھ

سواروں سے ملے آپ نے انہیں سلام کیا پھر پوچھا تم کونسی قوم ہو؟ انہوں نے عرض کی "مسلمون"

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ہم سب مسلمانوں کی ایک ہی قومیت وجنسیت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام ہے ہم دنیا بھر کے مسلمان ایک قوم ہیں اور ہم سب کی ایک قومیت ہے اور وہ "مسلم" ہے۔ اس لئے ہم سب ایک ہیں تو ہمارا ایک ہی حکمران ہونا چاہئے جو خلیفہ یا امام کہلائے۔ ہمارا ایک ہی دفاع ہونا چاہئے یعنی سب فوجیں مل کر ایک بڑی اسلامی فوج میں بدل جائیں۔ ہماری ایک ہی قومیت مسلم ہو جو قرآن وسنت سے ثابت ہے لہذا ہم سب کا ایک ہی جواز یعنی پاسپورٹ ہو اور یوں ویزوں کی لعنت بھی ختم ہو۔ اور ہم سب بھائی اپنے دوسرے بھائیوں سے بلا روک ٹوک مل سکیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی بلا روک ٹوک کر سکیں۔ یہ پاکستانی وایرانی، عراقی، کویتی، سعودی، شامی مصری اور ترکی وغیرہ کی قومیتیں عصبیت ہیں جن سے اسلام نے ہمیں روکا۔ وطنیت وقبائلیت وبرادری کے چکر میں ہمیں دشمنانِ اسلام نے پھنسایا ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ مراغی لکھتے ہیں کہ:

ومنها العصبية الجنسية (الی ان قال) وسری ذلك الی بعض بلاد الاسلامية فحاول اهلها ان يجعلوا فی المسلمين جنسيات وطنية فدعا الترك الی العصبية التركية والمصريون الی الجنسية المصرية والعراقية الخ

(تفسیر مراغی ۶ ج ۷۰ ص)

ان ناجائز عصبیتوں میں سے جنہوں نے مسلمانوں میں تفریق ڈال دی ایک عصبیت جنسی (قومی عصبیت ہے) جو بلادِ اسلامیہ میں آگئی ہے

کہ انہوں نے مسلمانوں میں وطنی جنسیت داخل کر دی۔ کوئی ترک کہلاتا ہے تو کوئی مصری اور کوئی عراقی، یہ وطنیت پر مبنی قومیت مسلمانوں میں تفریق ڈالنے والی چیز ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے برعکس ہے۔

ہمارے الگ الگ جوازات ہماری الگ الگ قومیت ظاہر کرتے ہیں اور یہ امت مسلمہ کے باہمی اتحاد واتفاق کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ:

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ط

(الانعام، ۱۵۴)

مسلمانو! تم مختلف راہیں نہ چلو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو راہ دکھائی وہ یہ ہے کہ وہ سب مل کر ایک اُمتِ مسلمہ ہیں۔ ہمارا ایک ایک ہی راستہ ہو اور وہ اپنی وحدت کو قائم کرنا۔ ایک خلیفہ وامیر کے جھنڈے تلے جمع ہونا۔ ایک وحدت میں پروئی ہوئی فوجی قوت بنانا، ایک ہی قومیت مسلم اختیار کرنا، اور ایک ہی کرنسی کے ذریعے اپنے اندر معاشی وحدت بنا کرنا؛ اور مل کر اللہ کے قرآن اور اس کے رسول کی سنت کو تھامنا اور دین کا بول بالا کرنا ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر الگ الگ ریاستیں بنا لینا، الگ الگ حکمران مقرر کرنا، الگ جوازات (پاسپورٹس) اور الگ الگ فوجیں اور الگ الگ کرنسیاں بنانا، الگ الگ راہیں اختیار کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس سے امت مسلمہ کے درمیان وہ اتحاد باقی نہیں رہا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلوب ہے۔ قبائلیت اور وطنیت کا تصور اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیری تصور کے منافی ہے بلکہ رنگ ونسل، علاقائیت

وقبائلیت اور وطنیت بت ہیں ان کی بناء پر اسلامی معاشرہ کو تقسیم کرنا جہالت
ہے اور یہ وہ بت ہیں جن کا توڑنا ضروری ہے۔
علامہ اقبالؒ کہتے ہیں ؂

بتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

؂ بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ — رسومِ کہن کے سلاسل کو توڑ
یہی دینِ محکم یہی فتح باب — کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

یعنی شعوب و قبائل کے بتوں کو توڑنے اور ایک اسلامی قومیت کے عمل میں
لانے سے ہی توحید کا علم بلند ہو سکتا ہے اور توحید کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے
میں پہنچانے اور دین کو محکم کرنے اور امت مسلمہ کے لئے فتح و نصرت کے دروازے
کھلنے کا واحد راستہ قبائلیت اور وطنیت کے بتوں کو توڑ کر ایک اسلامی ریاست قائم
کر کے نظامِ خلافت کو دوبارہ زندہ و بحال کرنا ہے۔

علامہ اقبال کی دعوت :

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ بھی مسلمانوں کو یہی دعوت دیتے اور اسی راستہ پر چلنے
کی تلقین کرتے ہیں ؂

؂ تا خلافت کی بنا ہو دنیا میں پھر استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
؂ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
؂ یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گر کاشانۂ دینِ نبوی ہے
؂ بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
؂ نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

؂ ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہو بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
؂ ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
؂ گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
؂ خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
؂ اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اسی سے
"قومیتِ اسلام" کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں "قومیت اسلام" کا لفظ کہہ کر واضح کر دیا
ہے کہ تمام مسلمانوں کی قومیت ایک ہی ہے، اور وہ اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان :

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا۔ اور ولا تتبعوا السبل
فتفرق بکم عن سبیلہ۔ دونوں آیتوں سے ثابت ہو چکا کہ مسلمان جو نام نہاد
آزاد اسلامی ریاستیں بنا کر امت مسلمہ کو بہت سے ٹکڑوں میں بانٹے بیٹھے ہیں،
اپنی اپنی نام نہاد آزادی کو ختم کر کے ایک جھنڈے تلے جمع ہوں اور ایک ہی خلیفہ
یا امام کا تقرر عمل میں لائیں۔

ایک ہی حکمران ہونا چاہئے :

قرآن کریم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پیش کی جاتی
ہیں ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پوری امتِ مسلمہ کا ایک ہی امام (حکمران)

ہونا ضروری ہے۔

جاہلیت کی موت:

امام یا خلیفۂ اسلام کا تقرر اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اس کے بغیر مسلمانوں کی موت کو جاہلیت کی موت ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

(۱) من مات بغیر امام مات میتة جاهلیة۔
جو امام کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۲) من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة
جو اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۳) من مات لیس لامام جماعة علیه طاعة مات میتة جاهلیة
جو اس حال میں مرا کہ اس پر مسلمانوں کی جماعت (امت مسلمہ) کے امام کی اطاعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۴) من استطاع ان لا ینام یوما ولا یصبح صباحا ولا یمسی مساء الا وعلیه امیر۔
جس سے یہ ہو سکے کہ ایک دن نہ سوئے اور نہ ہی صبح گزار دے اور نہ ہی شام گزار دے مگر اس حال میں کہ اس پر ایک ہی امیر ہو وہ ضرور کرے۔

(۵) من مات ولیس علیه طاعة مات میتة جاهلیة
جو اس حالت میں مرا کہ اس پر ایک امیر کی اطاعت نہیں وہ

جاہلیت کی موت مرا۔

(۶) من مات ولیس علیه امام فمیتته میتة جاهلیة۔
جو اس حال میں مرا کہ اس پر ایک امام نہیں تو اس کی موت جہالت کی موت ہے۔

(۷) من مات ولیس علیه امام مات میتة جاهلیة۔
جو اس حال میں مرا کہ اس پر ایک امام نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(ان ساتوں حدیثوں کو امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۷ھ نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" کی جلد ۵ کے صفحہ ۲۱۸ تا صفحہ ۲۲۵ سندوں کے ساتھ نقل فرماتے ہیں)

(۸) شرح عقائد میں حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ:

من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة۔
جو اس حالت میں مرا کہ اسے اپنے زمانے کے امام (امت مسلمہ) کے حکمران کا علم نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۹) امام عبد العزیز البرہاروی علیہ الرحمۃ "النبراس شرح، شرح عقائد" میں شرح عقائد کی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مسلم کی دوسری حدیث مرفوع میں ہے۔

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔
جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (النبراس ص۵۱۲)

اجماعِ صحابہ :

(۱۰) امام ابو شکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکشی السالمی علیہ الرحمۃ متوفی سنہ ھ
اپنی مشہور کتاب "التمہید فی بیان التوحید" جس کے حوالے داتا گنج بخش علی
ہجویری علیہ الرحمۃ بھی اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں دیتے ہیں، میں حدیث
مذکور نقل فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کہا کہ :

سمعنا رسول اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولم یر
علی نفسہ اماما مات میتۃ الجاهلیۃ فلا نحب ان یمضی
علینا یوم ولا نری لا نفسنا اماما (التمہید ص۱۴۳، ص۱۴۲)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں جو
شخص اس حال میں مرا کہ اپنے آپ پر ایک امام کو نہ دیکھا وہ جاہلیت
کی موت مرا پس ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم پر ایک دن بھی اس حالت
میں گزرے کہ ہم اپنے لئے ایک امام کو نہ دیکھتے ہوں۔

گویا ملت اسلامیہ کا ایک امام ہونا اجماعِ صحابہ سے بھی ثابت ہوا اس لئے
امام ابو الشکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فھذا یدل علی ان من لم یر الامام حقا فانہ یکفر۔

(التمہید فی بیان التوحید)

پس صحابہ کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو پوری ملت اسلامیہ
کے لئے ایک امام کو حق نہ مانے، وہ کافر ہو جائے گا۔

علامہ عبد العزیز البرہاروی علیہ الرحمۃ شرح عقائد والی حدیث کی شرح میں
فرماتے ہیں :

سواء کان فی زمانہ امام ولم یعرفہ او لم یکن فی زمانہ

امام اصلا۔ (النبراس ص۵۱۳)

خواہ اس کے زمانہ میں امام ہو اور اس نے اسے نہ پہچانا یا اس کے
زمانہ میں سرے سے امام ہو ہی نہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان تمام حدیثوں سے معلوم ہوا کہ پوری امتِ مسلمہ کے لئے ایک امام کا ہونا
ضروری ہے اور انتہائی ضروری ہے۔

کئی ایک اسلامی ریاستیں اور ان کے الگ الگ حکمران :

عقائدِ اسلام کی کتابوں میں ہے کہ ایک وقت میں کئی ایک آزاد اسلامی ریاستیں
اور ان کے الگ الگ حکمران ہونا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام جلیل سعد الدین مسعود
بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی علیہ الرحمۃ متوفی سنہ ۷۹۱ھ "شرح مقاصد" میں اور
امام زین العابدین قاسم بن قطلوبغا علیہ الرحمۃ متوفی سنہ ۸۷۹ھ "شرح مسامرہ" میں
فرماتے ہیں :

انتظام امر عموم الناس علی وجہ یؤدی الی صلاح الدین
والدنیا یفتقر الی ریاسۃ عامۃ فیھما اذ لو تعدد الرؤساء
فی الاصقاع والبقاع لادی الی منازعات ومخاصمات موجبۃ
لاختلال امر انتظام الخ (شرح عقائد : ج ۲ ص۲۷۲)

(شرح المسامرہ علی المسایرہ ج ۲ ص۱۴۲)

تمام لوگوں کے معاملہ کا انتظام ایسے طریقہ پر جو دین و دنیا کی بھلائی تک
مؤدی (پہنچانے والا ہو) دین و دنیا میں ایسی ریاستِ اسلامیہ کا محتاج
ہے جو تمام عالم اسلام پر حاوی ہو۔ کیونکہ اگر مختلف علاقوں کے مختلف
و متعدد حکمران ہوں تو یہ چیز باہمی لڑائی جھگڑا تک نوبت پہنچائے گی
جس سے عالم اسلام کے نظام میں خلل پڑ کر رہے گا۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ پورے عالمِ اسلام کا ایک امام و حکمران ہونا ضروری ہے اور یہ کہ عالمِ اسلام کا کئی ایک آزاد ریاستوں میں تقسیم ہونا اور ان کے الگ الگ حکمران ہونا جائز نہیں کیونکہ اس سے ان میں باہمی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ہوں گی، جھگڑے ہوتے ہیں اور ہوں گے جس سے عالمِ اسلام کا نظام خلل پذیر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ جیساکہ سعودی عرب اور یمن کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ ایران اور عراق میں جنگ ہوئی اور آٹھ سال تک ہوتی رہی۔ پھر عراق اور کویت کے درمیان حال ہی میں ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ سرزمین عراق و کویت میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو!
مضطرب ہے تو کہ دل تیرا نہیں دانائے راز

اہلِ مغرب نے مسلمانوں کو تقسیم کر ڈالا:

علامہ اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ مغرب والوں یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ان کی ایک ریاستِ عظمیٰ کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ یوں مسلمانوں کی قوت کو ایسے پگھلا دیا گیا جیسے سنار سونے کو پگھلا دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قوت منتشر ہوگئی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور کہیں بیرونی دشمن نے ان میں سے کسی ایک پر چڑھائی کر ڈالی اور باقی یوں ہی دیکھتے رہے جیسے اب عراق پر حملہ ہوا تو باقی مسلمان دیکھتے رہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا خون سستا ہو گیا اور پانی کی طرح بہنے لگا اور بہہ رہا ہے۔ فلسطین، کویت، ایران، عراق، افغانستان، کشمیر، فلپائن اور برما کے مظلوم مسلمانوں کے خون سے روئے زمین لالہ زار بنی ہوئی

ہے مگر مسلمان ریاستیں ایک دوسرے سے آزاد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک نہیں ہوسکتیں کیونکہ امریکہ و یورپ کی غلامی کا طوق پہن کر اپنے ضمیر مُردہ کئے ہوئے ہیں ؎

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک خلیفہ یا امام کا مقرر کرنا اُمت کا اہم فریضہ ہے

قرآن کریم کی گذشتہ آیات اور مذکورہ احادیث شریفہ سے ثابت ہوگیا کہ پوری امت مسلمہ اور تمام عالمِ اسلام کے لئے ایک ہی خلیفہ یا امام کا مقرر کرنا امت کا اہم فریضہ ہے۔ اس فریضہ سے غفلت پوری امت کے لئے باعثِ گناہ ہے۔ چنانچہ "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے:

اجمعت الأمة على وجوب عقد الامامة، وعلى ان الامة يجب عليها الانقياد لامام عادل، يقيم فيهم احكام الله و يسوسهم باحكام الشريعة التي اتى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يخرج عن هذا الاجماع من يعتد بخلافة - وهذا باجماع الصحابة رضي الله عنهم، بمجرد الصحابة رضي الله عنهم، بمجرد ان بلغهم نبأ وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بادروا الى عقد اجتماع في سقيفة بني ساعدة واشترك في الاجتماع كبار الصحابة، وتركوا اهم الامور لديهم في تجهيز رسول الله صلى الله عليه وسلم وتشييع جثمانه الشريف وتداولوا في امر خلافة فانهم لم يختلفوا في وجوب نصب امام المسلمين وبقيت

هذه السنة في كل العصور، فكان ذلك اجماعا على وجوب نصب الامام، وهذا الوجوب وجوب كفاية كالجهاد ونحوه، فاذا قام بها من هو اهل لها سقط الحرج عن الكافة، وان لم يقم بها احد، اثم من الامة فريقان
ا: اهل الاختيار وهم اهل الحل والعقد من العلماء ووجوه الناس، حتى يختاروا اماما للامة۔
ب: اهل الامامة وهم من تتوفر فيهم شروط الامامة الى ان ينصب احدهم اماما۔

" تمام امت کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ ایک امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اس ... ایک امام عادل کی (معروف میں) اطاعت کرنا امت پر فرض ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرے اور ان احکام شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے، کے مطابق ان پر حکومت کرے ۔ اس اجماع کی کسی ایسے شخص نے مخالفت نہیں کی جس کی مخالفت لائق توجہ ہو۔ یہ صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے اور بلاشبہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام کو جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی، انہوں نے فوراً سقیفہ بنی ساعدہ میں اجلاس منعقد کیا اور اس اجلاس میں بڑے بڑے صحابہ شریک ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین اور تدفین جیسے اہم کام کو بھی مؤخر کر کے خلیفۂ اسلام کے تقرر میں مصروف ہو گئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اسلام کے لئے خلیفہ کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے اور انہوں نے امام مسلمین کے فوری تقرر میں کوئی

اختلاف نہ کیا (الیٰ ان قال) اور تمام زمانوں میں یہ سلسلہ (یعنی ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے فوری تقرر کا سلسلہ) جاری وساری رہا لہٰذا تمام عالم اسلام کے لئے ایک امام کے تقرر کے فریضہ پر اجماع قرار پایا اور یہ فرض کفایہ ہے جیسے جہاد وغیرہ پس اس کے ذمہ دار اس ذمہ داری کو پورا کر دیں گے تو امت کے دوسرے لوگوں سے یہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا اور اسے کوئی بھی نہیں کرے گا تو امت میں سے دو گروہ گنہگار ٹھہریں گے ایک اہل اختیار اور وہ اہل حل وعقد امت کے سربرآوردہ لوگ ہیں یعنی علماء دین اور دین کی سوجھ بوجھ رکھنے والے امراء و رؤسا اور مسلح افواج کے اعلیٰ حکام اور دوسرے اہل اُمّت اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں خلافت و امامت کی اہلیت کے شرائط بھرپور پائے جاتے ہیں یہ دونوں گروہ اس وقت تک اس گناہ سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ کسی ایک کو عالم اسلام کا امام مقرر نہ کریں گے ۔

استنباطِ مسائل :

الموسوعة الفقهية کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل مسائل واحکام معلوم ہوئے :۔

(۱) تمام امت مسلمہ (تمام ممالک اسلامیہ) کا ایک ہی امیر ہونا فرض ہے جو ممالک اسلامیہ میں کتاب وسنّت کا قانون نافذ کرے ۔ یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے ۔

(۲) دیدہ ودانستہ فرض میں کوتاہی کرنا گناہ ہے لہٰذا کوتاہی کرنے والا گنہگار ہو گا۔ تو تمام اسلامی ملکوں کے سربراہ اور علماء جو خاموش ہو کر اُمّت کے افتراق وانتشار کو برداشت کر رہے ہیں اس فریضہ میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر

(۳) اس کوتاہی میں چارگروہ برابر کے شریک ہیں۔ تمام ممالک اسلامیہ کے حکمران۔
علماء، مسلح افواج کے سربراہان اور نام نہاد سیاست دان بالخصوص اسلام کے
نظامِ خلافت کی اہمیت و ضرورت سے آنکھیں بند کرکے مغرب کی ملعون
جمہوریت کی اندھی تقلید کرنے والے۔

(۴) یہ سب چاروں گروہ اس وقت تک گنہگار ہوتے رہیں گے جب تک کہ وہ
اسلام کے نظامِ خلافت کو قائم کرکے امت مسلمہ کے لئے ایک امیر و خلیفہ مقرر
نہیں کر لیتے۔

خلیفہ مقرر کرنا سب کا فریضہ ہے:

امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار میں فرماتے ہیں،

ونصبه اهم الواجبات (درمختار ج ۱ ص ۸۲)

"کہ عالمِ اسلام کے لئے ایک امام و خلیفہ کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے"
اس کی شرح میں امام طحطاوی فرماتے ہیں؛

ای من اهم الفرائض (الی ان قال) وهذه السنة باقية
الی الان لم يدفن خليفة حتی يولی غيره۔
(الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۸)

یعنی خلیفہ اسلام یا امام المسلمین کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے جس
کا سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے یہاں تک کہ ایک خلیفہ کو اس کے
مرنے کے بعد اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک اس کی جگہ دوسرے
کو خلیفہ مقرر نہیں کر دیا جاتا۔

شرح عقائد نسفی میں ہے کہ؛

والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم

واقامة حدودهم (الی ان قال) فان قيل لم لا يجوز الاكتفاء
بذي شوكة في كل ناحية (الی ان قال) قلنا لانه يؤدي الی
منازعات ومخاصمات مفضية الی اختلال امر الدين والدنيا
كما نشاهد في زماننا۔ (شرح عقائد ص ۱۱)

تمام عالمِ اسلام کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے وہ ان میں
اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے حدود جو اس نے اپنے بندوں پر عائد کئے
ہیں، کو قائم کرے پھر اگر کہا جائے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ ہر ٹکڑے کا
شان و شوکت والا الگ حکمران ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کافی نہیں کیونکہ اسلامی
ریاست کے کئی ایک آزاد خطوں میں منقسم ہونے اور ہر ایک ریاست
کے الگ الگ حکمران ہونے ان میں سے باہمی تنازعات اور جھگڑے
اٹھ کھڑے ہوں گے جس کے نتیجہ میں امت کے دینی و دنیوی معاملہ
میں خلل پڑ جائے گا جیسے ہم آج دیکھ رہے ہیں۔

اس سے بھی ثابت ہوا اور اسی طرح عقائد اسلامیہ اور فقہ اسلامی کی کتابوں
میں ایسے اقوال بکھرے پڑے ہیں جن کے ذکر سے کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی۔

خلافت کی عظمت و اہمیت:

خلافت کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے
کہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین اور بادشاہوں کی
تاجپوشی ہوتی تھی۔ سلطان دستِ خلیفہ پر بیعت کرتا تھا۔ اگرچہ سلطان زور و طاقت
اور سطوت و غلبہ میں خلیفہ سے کہیں بڑھ کر ہوتا تاہم ایک منصب شرعی اور ایک
تقاضائے اسلامی کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ جب ۶۵۶ھ میں کفار
تاتار کے ظالمانہ ہاتھوں سے جامۂ خلافت تار تار ہوا اور خلیفہ معتصم باللہ شہید

کئے گئے تو خلافت ساڑھے تین سال تک منقطع رہی۔

دنیا ساڑھے تین سال تک بغیر خلیفہ کے رہی:

اس پر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ بڑے افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ۔

لما اخذ التتار بغداد وقتل الخليفة اقامت الدنيا بلا خليفة ثلاث سنين ونصف سنة وذلك من يوم الاربعاء ورابع عشر صفر سنة ست وخمسين وهو يوم قتل الخليفة المعتصم بالله رحمه الله الى اثناء سنة تسع وخمس مائة۔

جب تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کیا

(تاریخ الخلفاء ص۳۵۹ ر۳۵۷ وحسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ جلد۲، ص۵۵)

سلطانِ مصر کا سلسلۂ خلافت کو پھر سے بحال کرنا:

پھر ۱۳ رجب ۶۵۹ھ کو مستنصر باللہ کو خلافت کے تخت پر متمکن کر کے سلسلۂ خلافت کو بحال کر دیا گیا۔ یہ خلافت مصر میں قائم ہوئی اور ڈھائی سو برس سے زائد قائم رہی۔ مستنصر باللہ کی یہ خلافت خود سلطانِ مصر ملک ظاہر بیبرس نے قائم کی تھی جبکہ سلطانِ مصر، مصر کا مضبوط بادشاہ تھا نہایت ہی عادل تھا۔ امام سیوطی علیہ الرحمۃ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ،

فاول من بايعه السلطان ثم قاضي القضاة تاج الدين ثم الشيخ عز الدين بن عبد السلام ثم الكبار على مراتبهم وذلك في ثالث عشر رجب ونقش اسمه على السكة وخطب له ولقب باسم اخيه وفرح الناس الخ (تاریخ الخلفاء ص۳۵۸)

"سب سے پہلے سلطان نے اس کی بیعت کی پھر چیف جسٹس امام تاج الدین نے پھر شیخ العلماء امام عزالدین بن عبدالسلام نے پھر حسب

مراتب دوسرے اکابرین نے اور یہ ماہ رجب کی ۱۳ ۶۵۹ھ کی تاریخ تھی اور خلیفہ کا نام سکے پر کندہ کیا گیا اور اس کے لئے خطبہ ہوا اور اس کے بھائی کے نام کا اسے لقب دیا گیا اور لوگوں نے خوشیاں منائیں"۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ حسن المحاضرہ اور تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ۔

"جب سلطان بیبرس نے مستنصر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس سے پروانۂ سلطنت حاصل کیا تو خلیفہ نے اُسے اپنا مطیع ظاہر کرنے کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈالیں اور سلطان اپنے خدام کے ساتھ اسی حالت میں اپنے دار السلطنت قاہرہ کا گشت کیا کہ اس کے گلے میں خلیفۂ اسلام کی اطاعت کا طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اور آگے آگے وزیر کے سر پر خلیفہ کا عطا کیا ہوا پروانۂ سلطنت تھا"۔

(حسن المحاضرہ ج۲ ص۵۸ و تاریخ الخلفاء ص۳۵۸)

اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ سلطان بیبرس ملک ظاہر نے خلیفہ کا تقرر کر کے ایک دینی و اسلامی تقاضا پورا کیا۔ ورنہ اس کی سلطنت مصر میں مضبوط تھی اگر اسلام میں خلیفہ (مرکزیت عالم اسلام) کے بغیر سلطنت و حکومت کا کوئی جواز ہوتا تو اس کو اس قدر تکلف کرنے اور خلیفہ کے آگے ہاتھ پھیلانے اور سلسلۂ ماضیہ کو پھر سے چلانے اور جاننے کی کیا ضرورت تھی اور لوگوں نے اس قدر خوشیاں کیوں منائیں؟ الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں خلافت کا نظام ازحد ضروری ہے اور اہم فریضہ ہے اور یہ کہ خلافت کے نظام کے بغیر الگ الگ آزاد ریاستوں کا وجود غلط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے اور شرعی تقاضا ہے کہ آج جس قدر جلدی ہو سکے سربراہِ

مملکت و فقہاءِ اسلام باہمی صلاح و مشورہ سے خلیفۂ اسلام کا تقرر عمل میں لائیں اور عوام مسلمین انہیں قیامِ خلافت کے سلسلہ میں مجبور کریں اور اگر مجبور کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم بحالیٔ خلیفہ کے لئے آواز تو بلند کریں ورنہ اس گناہ میں سب شریک متصور ہوں گے۔ چنانچہ محقق و مفکرِ اسلام علامہ امام عصام الدین علیہ الرحمۃ متوفی ۹۴۳ھ اپنے حاشیہ علیٰ شرح العقائد میں لکھتے ہیں:

فتعصی الامۃ کلھم و تکون میتتھم میتۃ جاھلیۃ

(حاشیہ علامہ عصام علیٰ شرح العقائد صفحہ ۲۳۰)

"یعنی اگر امت مسلمہ نے عالمِ اسلام کا ایک خلیفہ مقرر نہ کیا تو کل امت گنہگار ہوگی۔ اور ان کی موت جاہلیت کی موت ٹھہرے گی"۔

ہندوستان کے بادشاہوں کا اپنے آپ کو خلیفہ کے تابع کرنا:

خلافتِ عباسیہ کے دور میں ہندوستان کے سلاطین اور بادشاہوں کی سلطنتیں اور بادشاہتیں بڑی مضبوط تھیں انہیں کسی خلیفے کی اجازت ناموں کی کوئی حاجت نہ تھی مگر وہ سمجھتے تھے کہ اسلام میں الگ الگ آزاد ریاستوں کا کوئی تصور نہیں لہٰذا وہ بڑی عقیدت کے ساتھ خلفاء بغداد سے حکومت کرنے کے اجازت نامے حاصل کر کے اپنے آپ کو ان کے زیرِ نگیں کرتے تھے تاکہ ان کی حکومتوں کا اسلامی نقطۂ نظر سے انہیں جواز حاصل ہو جائے۔ اور خلافت کی دینی و دنیوی برکات انہیں اور ان کے عوام کو پہنچیں کیونکہ جہاں خلافت ہوتی ہے وہاں ایمان اور علم کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔

ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہیں جہاں بھی ہو:

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

اعلم ان مصر من حیث صارت دار الخلافۃ عظم امرھا وکثرت شعائر الاسلام فیھا وعلت فیھا السنۃ وعفت

عنھا البدعۃ وصارت محل مسکن العلماء ومحط رجال الفضلاء وھذا سر من اسرار اللہ تعالیٰ اودعہ فی الخلافۃ النبویۃ کما دل "ان الایمان والعلم یکونان مع الخلافۃ اینما کانت" ولا یظن ان ذلک بسبب الملوک فقد کانت ملوک بنی ایوب اجل قدر واعظم قدرا من ملوک بعدھم بکثیر ولم تکن مصر فی زمانھم کبغداد وفی اقطار الارض الآن من الملوک من ھو اشد بأسا واکثر جندا من ملوک مصر کالعجم والعراق والروم والھند والمغرب ولیس الدین قائما ببلادھم کقیامہ بمصر ولا شعائر الاسلام ظاھرۃ فی اقطارھم کظھورھا فی مصر ولا نشرت السنۃ والحدیث والعلم فیھا کما فی مصر۔

(حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر و القاہرہ جلد ۲ صفحہ ۹۶، صفحہ ۹۴)

"مصر جب سے دار الخلافہ ہوا اس کی شان بڑھ گئی، اس میں شعائرِ اسلام کی کثرت ہوئی سنّت غالب ہوئی بدعت مٹی، علماء کا جنگل اور فضلاء کا دنگل ہو گیا اور یہ رازِ الٰہی ہے جسے اس نے خلافتِ نبوت میں ودیعت کیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جہاں خلافت ہوگی علم و ایمان اس کے ساتھ ہوں گے اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ مصر میں دین کی یہ ترقی سلاطینِ مصر کی وجہ سے ہوئی کیونکہ سلطان ایوب کی اولاد سے سلطان صلاح الدین جیسے سلاطینِ مصر بعد والے سلاطین سے بہت زیادہ جلیل القدر تھے جبکہ ان کے زمانہ میں مصر دینی ترقی کے لحاظ سے بغداد کے برابر نہ ہو سکا اور اب زمین کے مختلف اکناف و اطراف میں وہ سلاطین

ہیں کہ سلاطینِ مصر سے بڑھ کر رعب و دبدبہ والے ہیں اور ان کی افواج
بھی ملوکِ مصر سے زیادہ ہیں جیسے عجم   عراق، روم، ہندوستان
اور مغرب مگر ان کے شہروں میں دین ایسا قائم نہیں جیسا مصر میں قائم
ہے اور نہ وہاں شعائرِ اسلام کا غلبہ ہے جیسا کہ مصر میں غلبہ ہے اور نہ
ہی وہاں سنّت و حدیث اور علم کا غلبہ ہے جیسا کہ مصر میں ہے۔

حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ ج ۲ ص ۸۶ (ص ۸۶)

الحمد للہ! امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی تقریر اور رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ عالمِ اسلام کے لئے خلافت کا قیام
ازحد ضروری ہے اس کے بغیر مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی اور اسلام کا غلبہ ممکن
نہیں ہے۔ اور یہ کہ الگ الگ آزاد ریاستوں کا وجود مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی میں
حائل ہے۔

سلطان محمود غزنوی کی خلیفہ بغداد سے خط و کتابت اور اجازت طلب کرنا

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ، القادر باللہ العباسی
کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ درج تھا کہ:

"خراسان کا بیشتر حصہ چونکہ مملکتِ غزنویہ کے ماتحت ہے۔ اس لئے یہ
بہتر ہوگا کہ خراسان کا بقایا حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومتِ
غزنی کے حوالے کر دیا جائے"۔

خلیفہ بغداد نے سلطان محمود کی اس خواہش کو مجبوراً پورا کیا اور خراسان کا سارا علاقہ
سلطان محمود کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد محمود نے خلیفہ سے کہا کہ سمرقند بھی ایک فرمان
کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کیا اور

محمود کو لکھا:

"اگر تو میری مرضی کے خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں
تمام دنیا کو تیرے خلاف ابھار دوں گا"۔

یہ جواب پاکر محمود غزنوی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد سے کہا
میں اب جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزارہا کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت
کو روند ڈالوں اور بارگاہِ خلافت کا ملبہ انہیں ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لے آؤں۔ یہ جواب
لے کر قاصد بغداد چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد ایک خط لے کر پھر غزنی آیا۔ جس وقت خلیفہ بغداد
کا یہ قاصد خط لے کر پہنچا اس وقت محمود اپنی بارگاہ میں بیٹھا تھا۔ غلام   ہاتھ
باندھے سامنے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی
ہوئی تھیں۔ قاصد نے محمود کے سامنے حاضر ہو کر سربمہر خط پیش کیا اور کہا خلیفہ
نے فرمایا ہے کہ تمہارے خط کا جواب یہ ہے۔ معاملاتِ خارجہ کے امیر (وزیر) خواجہ ابو نصر
روزنی نے خط کھولا اور دیکھا کہ اس میں بسم اللہ کے بعد چند سطور حروف مقطعات
الم، الم میں لکھی ہوئی ہیں اور ان سطور کے بعد یہ لکھا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰۃ علیٰ رسولہ وآلہ اجمعین ہ اس عجیب وغریب خط کو پڑھ کر اور سن کر
سلطان محمود اور تمام درباری بڑے حیران ہوئے اور دیر تک غور کرتے رہے کہ اس
تحریر سے خلیفہ بغداد کی کیا مراد ہے اور ان مقطعات سے کس امر کی طرف اشارہ کیا
گیا ہے قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا، وہ سب
پڑھی گئیں اور ان کے مفاہیم و مطالب پر غور کیا گیا۔ لیکن اس خط کا مطلب   سمجھ میں
نہ آیا۔ کچھ دیر بعد خواجہ ابوبکر قہستانی نے جنہیں ابھی سلطان محمود کے دربار میں کچھ زیادہ
رسوخ حاصل نہ ہوا تھا، جرأت کر کے عرض کیا میرا خیال ہے کہ چونکہ آنجناب نے خلیفہ
بغداد کو کوہ پیکر ہاتھیوں سے روند دینے کی دھمکی تھی اس لئے ممکن ہے کہ خلیفہ نے

اس کے جواب میں سورۂ فیل کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اوران مقطعات سے "اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ" مراد ہو۔ سلطان محمود نے جب یہ بات سُنی تو اُس کا ہوش جاتا رہا۔ جب ہوش آیا تو وہ بہت رویا اور خلیفہ بغداد کے قاصد سے معافی مانگی اُسے بیش قیمت تحفے تحائف دے کر واپس بغداد روانہ کیا اور ابوبکر قہستانی کو قیمتی خلعت دے کر اپنے امیروں کے گروہ میں شامل کر لیا۔

(از تاریخ فرشتہ جلد ا صـ۱۱۶ رصـ۱۱۷)

خلیفہ بغداد کا خط بنام محمود:

جس سال سلطان محمود سفرِ سومنات سے کامیاب و کامران واپس آیا۔ اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کے نام ایک خط لکھا اور اسی کے ساتھ خراسان، ہندوستان، نیمروز اور خوارزم کا لوائے سلطنت بھی عطا کیا۔ اس خط میں خلیفہ نے سلطان محمود اور اس کے بیٹوں اور بھائیوں کو خطابات سے نوازا تھا۔ جن کی تفصیل یوں ہے:-

سلطان محمود :	کہف الدولۃ و الاسلام
امیر مسعود :	امیر الدولۃ جمال الملۃ
امیر محمد	جلال الدولۃ مؤید الملۃ
امیر یوسف	عضد الدولۃ مؤید الملۃ

ولی عہدی کی اجازت:

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ:

"تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ ہم بھی اس کو قبول کریں گے۔"

سلطان محمود کو یہ خط جس وقت موصول ہوا وہ اس وقت بلخ میں تھا۔ اس نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کیا۔ (از تاریخ فرشتہ صـ۱۲۰/۱۲۱)

عمامہ خلافت التمش کے لئے:

۶۲۶ھ میں خلافت عباسیہ کے قاصد دہلی میں آئے اور انہوں نے التمش کو بارگاہ عباسی کی طرف سے بھیجا ہوا عمامۂ خلافت پیش کیا۔ التمش نے اس مذہبی خلعت کی پوری پوری تعظیم و تکریم کی اور اس خلعت فاخرہ کو زیب تن کر کے بے انتہا خوش ہوا۔ اس خوشی میں اس نے اپنے امیروں اور درباریوں کو خلعتوں اور عطیوں سے نوازا اور تمام شہر کو دلہن کی طرح سجا کر جشنِ مسرت منایا۔

(از تاریخ فرشتہ، صفحہ ۲۵۳/۲۵۲)

خلیفہ عباسیہ کا فرمان نیابت:

ذی الحجہ کے مہینہ میں ۸۵۵ھ میں خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ ابوبکر بن ابی ربیع بن ابی سلیمان مصر کے حکمران کی طرف سے خلعت نیابت اور فرمان سلطنت بادشاہ کے نام آیا جس کی بادشاہ نے بیحد خوشی منائی اور عقیدت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اپنی سلطنت میں اس کا اعلان عام کر دیا۔

(از تاریخ فرشتہ صفحہ

خلیفہ عباسی کا فرمان وخلعت محمد شاہ کے نام:

محمد شاہ نے خلیفہ عباسی کا بھیجا ہوا خلعت پہنا اور وہ فرمان بھی پڑھا گیا جس میں خلیفہ عباسی نے حاکم دکن کو اپنے نام خطبہ پڑھوانے اور سکہ جاری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ بادشاہ نے خلعت و فرمان دونوں اپنے سر پر رکھے اور جو قاصد، امراء اور ایلچی ان تبرکات (خلعت اور پروانہ) کو لے کر دکن میں لائے تھے ان پر بڑی نوازشیں ہوئیں۔

سلاطینِ ہندوستان خلفاءِ بغداد سے سلطنت کی اجازتیں لیتے تھے

ان درج بالا واقعات کے بعد اس حقیقت پر مزید روشنی ڈالنے کی حاجت نہیں رہ جاتی کہ شاہانِ ہندوستان جو ہر لحاظ سے مضبوط و مستحکم بادشاہتوں کے مالک تھے وہ اس اعتقاد و یقین کی بناء پر خلفاء بغداد سے اپنی حکومتوں اور بادشاہتوں کے اجازت نامے حاصل کرتے تھے اور اپنی حکومتوں کو بغداد کے زیرِ سایہ رکھنے پر مصر ہوتے تھے کہ ان کے نزدیک بھی اسلام کے لئے خلیفہ کا وجود ضروری تھا اور کوئی بھی حکومت خلافت سے منقطع ہو کر اسلامی و شرعی نقطۂ نظر سے اپنے وجود کا جواز نہیں رکھتی۔

علماء کا فریضہ :

تمام علماء کا فریضہ ہے کہ آپس میں متحد ہو کر خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں اور بہ اتفاق تمام سربراہوں سے قیام و بحالیٔ خلافت اسلامیہ کا مطالبہ کریں۔ اگر ان سربراہان نے اور مملکتوں کے سربرآوردہ اربابِ اقتدار نے خلافتِ اسلامیہ کے نظام کو بحال کر دیا تو عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو علماء تو بری ہو جائیں گے مگر یہ سربراہان ممالکِ اسلامیہ ایک امام و خلیفہ کا تقرر نہ کرنے کی وجہ سے جاہلیت کی موت مریں گے کیونکہ انہوں نے اسلامی ریاست کے حصے بخرے کر کے جاہلیت کے دور کی یاد قائم کر رکھی ہے اور اس کے پیچھے ہوسِ اقتدار کے سوا کچھ نہیں جس سے وہ مسلمانوں کے الگ الگ ٹکڑے کر کے اپنا شوقِ اقتدار پورا کر رہے ہیں۔ علامہ کہتے ہیں ؎

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

لہٰذا ہمارے لئے اسی نظام کو اختیار کرنا اور اسے اپنے معاشرے میں نافذ کرنا نہایت ضروری ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام خصوصًا خلفاء راشدین نے ہمیں دیا اسی میں ہماری نجات اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

مغربی جمہوریت کے ثمرات :

یہ نظام وہ ہے جس میں امیر غریب کا وہ فرق باقی نہیں رہتا جو مغربی جمہوریت میں دکھائی دے رہا ہے کہ ایک شخص تو اتنا امیر ہے کہ اس کی دولت اس کے اعداد و شمار سے باہر ہے اور اس کے پاس بے پناہ وسائل ہیں اور دوسرا ایسا غریب کہ اسے زندگی کی ضروریات تک میسر نہیں پھر حکمرانوں اور عوام کے درمیان اس حد تک فاصلے ہیں کہ وڈیرے، جاگیردار اور بااثر لوگ تو حاکم وقت سے جب چاہیں ملاقات کر لیں اور اپنا کام نکلوا لیں اور ایک غریب آدمی حکمرانوں تک براہِ راست رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے اپنی مشکلات نہیں بتا سکتا۔ یہ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ سرمایہ داروں سرمایہ داری میں اضافہ کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اس نظام کو صرف وڈیرے اور سرمایہ دار پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ دولت و سرمایہ کے ذریعے عوام کے ووٹ خرید کرتے ہیں پھر پارلیمنٹ کے ممبر بن کر نوٹ کماتے ہیں اور وہ جاہل جو انگوٹھا بھی مشکل سے لگاتے ہیں یا جنہیں دین کی ضروریات کا کچھ پتہ نہیں، کلمہ تک درست نہیں پڑھ سکتے، جو دستور اور آئین

کے مفہوم تک سے ناواقف ہوتے ہیں وہ مجلس آئین ساز کے ممبر بن جاتے ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ ممبران اسمبلی کی ماہانہ تنخواہیں بیس ہزار ہو گئی ہیں اور بغیر لائسنس کے انہیں اسلحہ رکھنے کی اجازت بھی دے دی گئی ہے اور ہمیشہ کے لئے وی آئی پی ہو گئے اور بغیر ڈیوٹی کے اپنے لئے بڑی بڑی گاڑیاں بھی منگوا سکتے ہیں۔ یہ اسمبلیاں دراصل وڈیروں کے وڈیرے اور جاگیرداروں کے مفاد کے سرچشمے ہیں ان کو غریبوں کی کیا فکر۔

ہم قارئین سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ نظام درست ہے یا خلافت کا وہ نظام جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ کہتے کہ دریائے فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا مر گیا تو عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کا ذمہ دار ہے۔ اور اپنے گورنروں کو ہدایت کرتے کہ بڑھیا لباس نہ پہننا اور بڑھیا سواری پر نہ بیٹھنا اپنے دروازوں پہ دربان کھڑے نہ کرنا تاکہ غریب شخص تم سے ملنے میں کوئی گھبراہٹ، ہچکچاہٹ اور رکاوٹ محسوس نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کسی گورنر کے بارے میں معلوم ہوجاتا کہ وہ رعیت کے بیماروں کی بیمار پرسی کو نہیں جاتا۔ وَلَا یَدْخُلُ عَلَیْہِ الضَّعِیْفُ نَزَعَہٗ (کتاب الخراج صـ۱۱۱) اور یہ کمزور و غریب انسان اس سے نہیں مل سکتا تو آپ اس کو گورنری سے ہٹا دیتے تھے۔ یہ خلافت کا ہی نظام ہے جس کے چلانے والوں کا یہ عالم ہے ؎

عرب خود را بہ نورِ مصطفیٰ سوخت
چراغِ مردہ مشرق برافروخت

کہ افسوس کہ عرب نے جنہوں نے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آپ کو جلا ڈالا یعنی اپنی انا ختم کر کے اپنے آپ کو نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور کر لیا۔ انہوں نے مشرق کے مردہ چراغ (جمہوریت) کو روشن کرنا شروع کر دیا

ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت

یعنی وہ اس خلافت کا راستہ بھول گئے جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کو شاہی سکھائی۔

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ بر ما پادشاہی ست

کہ خلافت ہم مسلمانوں کے مقام کی گواہ بنی ہے، جو ہم پر حرام ہے وہ بے لگام بادشاہی ہے ؎

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی ست

کہ بے لگام ملوکیت بالکل فریب ہے اور دھوکہ ہے جب کہ خلافت ناموسِ الٰہی (دین) کی حفاظت ہے۔

یہ جمہوریت اور خلافت کا بہترین موازنہ ہے جو علامہ اقبال نے پیش کیا اس سے خلافت کی عظمت بھی واضح ہو گئی اور جمہوریت کی خرابی بھی۔ اب اس کے بعد کہ حق واضح ہو گیا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی توفیق کے مطابق اس نظامِ خلافت کو بحال کرانے کی جدوجہد میں شریک ہو اور ایسے رفقاء تحریک احیاء خلافت کو معلوم ہو کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں بڑا درجہ پائیں گے لہٰذا وہ اس مشن کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور بمطابق فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَةِ شَہِیْدٍ ۔

"کہ جس نے میری امت کے فساد کے زمانے میں میری سنت (میرے نظام) کو زندہ کیا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا؟"

یقیناً آپ سو شہید کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اس تحریک کا یہی منشور ہے اور آپ کے خلفاء راشدین نے اپنایا، پاکستان کی بحالی و نفاذ جو امیر و غریب کے فرق کو ختم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

؎ گریز از طرز جمہوری، غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمے آید

یعنی اس (ملعون) جمہوری نظام سے گریز کرو، پختہ کار (خلافت) کے غلام بنو، کیونکہ جمہوریت کے ذریعے منتخب ہونے والے دو سو گدھوں سے ایک انسان کی فکر بھی حاصل نہ ہو گی۔

الیکشن اور ممبری:

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی کلیات (بانگ درا) میں مغربی جمہوریت کے الیکشن اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ممبری کے بارے میں علامہ کا یہ کلام محل توجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت — بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ — نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

اس سے پتہ چلا اور علامہ اقبال کا موقف بھی واضح ہو گیا کہ یہ الیکشن اور یہ ممبریاں اور یہ کونسلیں اور یہ صدارتیں سب یورپ کے پھندے ہیں۔ اور اسلام کا نظام صرف خلافت ہے جو شورائی ہے۔

٭٭٭

مغربی جمہوریت تلوار بے نیام ہے:

پھر فرماتے ہیں ؎

زمن زدہ اہل مغرب را پیامے — کہ جمہوریت است تیغ بے نیامے

"کہ میری طرف سے اہل مغرب کو پیغام پہنچا دو کہ جمہوریت بے نیام تلوار ہے"

چہ شمشیرے کہ جانہا می ستاند — تمیزِ مسلم و کافر نداند

"کہ یہ وہ تلوار ہے جو مسلم و کافر کے درمیان فرق نہیں کرتی کیونکہ اس میں مسلم و کافر دونوں کا ووٹ برابر ہے"

نہ ماند در غلافے خود زمانے — بُرد جانِ خود و جانِ جہانے

"کہ یہ تلوار دیر تک غلاف میں نہیں رہتی۔ اپنی جان بھی تباہ کرتی ہے اور جہان کی جان بھی ضائع کرتی ہے"

ممبرانِ اسمبلی علامہ اقبال کی نظر میں:

ممبرانِ اسمبلی علامہ اقبال کی نظر میں کیا ہیں۔ ان کے کلام کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے اس جمہوریت سے بلاشبہ پاکستان دو ٹکڑے ہوا۔ اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممبرانِ اسمبلی کی باہمی دشمنی سے ہر سال بیشمار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں، الیکشن کے موقع پر تو کئی لوگ قتل ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد باہمی قتل و غارت کا سلسلہ شروع رہتا ہی ہے اور اب بھی جاری ہے ؎

شاطراں ایں گنج درآں رنج بر — ہر زماں اندر کمین یک دگر

اس جمہوریت کے حامی چالاک وڈیرے اور سرمایہ دار اس جمہوریت کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔

اور سیاسی پارٹیاں ہر وقت ایک دوسرے کے

خلاف گھات میں چھپی رہتی ہیں۔"

ے فاش باید گفت سرِ دلبراں ما متاع و ایں ہمہ سوداگراں

"راز کو کھول، دل لگتی بات کہہ دینی چاہیئے، ہم عوام مال ہیں، اور جمہوریت کے پرستار وڈیرے ہیں۔"

ے اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو دامنِ قرآں بگیر آزاد شو

"اے مغربی جمہوریت کے پھندے میں پھنسے ہوئے انسان تو آزاد ہو جا، قرآن (خلافت) کا دامن پکڑ آزاد ہو جا۔"

علامہ اقبال اس نظام سے آزاد ہوکر قرآن وسنت میں بیان کئے گئے نظام نظامِ خلافت سے وابستہ ہونے کا سبق دے رہے ہیں۔

خلافت "حق بہ حقدار رسید" کا دوسرا نام ہے:

مغرب کے جمہوری نظام میں تو دولت وسرمایہ کے ذریعے اقتدار حاصل کیا جاتا ہے جبکہ خلافت میں اقتدار ان کو ملتا ہے جو اس کے اہل ہیں۔ بمطابق فرمانِ الٰہی:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔

(سورہ نساء : ۵۸)

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کو دے دو جو ان کے اہل ہیں۔"

اقتدار صالحین کا حق ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نظام میں اقتدار اہل لوگوں کو ملتا ہے اور اس کے اہل صالحین ہیں نہ کہ وڈیرے سرمایہ دار اور جاگیردار۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (الانبیاء : ۱۰۵)

"بے شک زمین اللہ کی ہے اس کے (اقتدار کے) وارث میرے صالحین بندے ہیں۔"

اور یہ بھی مسلّم ہے کہ صالحین میں سرِفہرست علماءِ دین ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا۔

سیاست اور علماء کرام:

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سیاست علماء کا کام نہیں، کیونکہ سیاست میں جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔ لہٰذا سیاست سے علماء کو دُور رہنا چاہیئے۔ یہ دراصل انگریزوں کی فکر ہے جس نے سیاست کے مفہوم میں جھوٹ کو شامل کر دیا ہے ورنہ سیاست جھوٹ بولنے کا نام نہیں بلکہ جھوٹ بولنے والا سیاست کے قابل ہی نہیں، انگریز کے پروردہ اور انگریزوں سے جاگیریں حاصل کرنے اور انگریزی ماحول میں پلنے والوں اور بے دینوں کے حلقوں کی طرف سے یہ افواہ پھیلائی گئی ہے کہ سیاست میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے جس سے بعض سادہ لوح مسلمان بھی متاثر ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں اور یہ عیسائی اور یہودی لابی کا پراپیگنڈہ ہے تاکہ مسلمانوں کے علماء سیاست سے الگ تھلگ رہیں اور دینِ اسلام سے جاہل وڈیرے ہی سیاست کریں تاکہ وہ غیر مسلم طاقتوں کے آلۂ کار رہیں اور دنیا میں دین کا نظام نافذ نہ ہو۔ جیسے عیسائی اور یہودی لابی نے اپنے ہاں بھی دین اور سیاست کو الگ الگ کر رکھا ہے، جبکہ اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے کہ دین الگ اور سیاست الگ ہے بلکہ اسلام میں دین اور سیاست لازم وملزوم ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ے

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اوپر فرمان گزرا ہے کہ "زمین اللہ کی ہے اس کے وارث میرے صالحین بندے ہیں"۔

یہ جمہوری نظام ہے جس میں ووٹ دولت سے لئے جاتے ہیں یا نسل پرستی اور برادر پرستی سے۔ قوم نے دین و مذہب کو پیچھے کر دیا ہے جس کی وجہ سے علماء و صلحاء جو مذہب کے راہنما ہیں ان الیکشنوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اسی لئے ہمارا ملک ترقی نہیں کر رہا بلکہ روز بروز تباہی کی طرف جا رہا ہے۔

علامہ اقبال کی صدا:

علامہ اقبال فرماتے ہیں،

چھوڑ کر داخل حصارِ دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا ثمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اُڑ گیا دنیا سے تُو مانندِ خاکِ رہگذر

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

سیاست ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کا اہم مشن رہا ہے:

قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ملی۔ انہوں نے خلافت کی اور خلافت حکومت ہی کا نام ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت

کی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساری دنیا پر حکومت کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے کہا کہ تم سے ملک کا نظام نہیں چل رہا، تم فیل ہو چکے ہو حکومت میرے سپرد کرو۔ میں تمہیں کامیاب حکومت کر کے دکھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حکومت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں حکومت کے بغیر تھے تو اسلام کو فروغ نہ ملا مگر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور سرزمین مدینہ پر اپنی حکومت قائم فرمائی۔ آپ نے بھی حکومت کی، مسجد نبوی کی امامت و خطابت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے اور حکومت بھی کرتے تھے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے خلفاء راشدین نے خلافت و حکومت کی جو علماء و فقہاء تھے۔ ساتھ ہی مسجد نبوی کے امام و خطیب بھی تھے۔

انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو سیاست کی تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ان بنی اسرائیل کانت تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلف نبی وانہ لا نبی بعدی سیکون خلفاء فتکثر۔

(مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۷)

"بلاشبہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے۔ جب کبھی کسی پیغمبر نے دنیا سے پردہ فرمایا اس کے پیچھے دوسرا پیغمبر آگیا اور میری شان یہ ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ بلاشبہ میرے بعد خلفاء بہت ہوں گے"۔

دوسری حدیث شریف میں ہے جو اسی مضمون کی ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر فرماتے تھے۔ جب کبھی کوئی پیغمبر گیا اس کی جگہ دوسرا پیغمبر آگیا۔

وانہ لیس کائن بعدی نبی فیکم، قالوا فما یکون یارسول اللہ؟ قال تکون خلفاء فیکثروا۔

(سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۰۶)

"اور بلاشبہ میرے بعد تم میں کوئی نبی ہونے والا نہیں، صحابہ نے عرض کیا تو کیا ہوگا؟ یارسول اللہ! فرمایا خلفاء ہوں گے۔ پس بہت ہوں گے۔"

اس کے بعد تیسری حدیث صحیح بخاری و مسلم و شرح السنۃ میں ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ جب کبھی کوئی پیغمبر دنیا سے رخصت ہوا اس کے پیچھے دوسرا پیغمبر آگیا اور بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تأمرنا؟ قال فوا ببیعۃ الاول فالاول، اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم (صحیح البخاری جلد ۱ ص ۴۹۱)

و مسلم جلد ۲ ص ۱۲۶) (شرح السنۃ جلد ۱۰ ص ۵۶)

"اور میرے بعد خلفاء ہوں گے، پھر بہت ہوں گے، صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا پہلے خلیفہ کی بیعت کرنا، پھر اس کے بعد والے پہلے کی، اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ چلتا رہے۔ تم نے ان کا حق ان کو دینا ہوگا یعنی (بھلائی میں) ان کی اطاعت کرنا ہوگی، پس اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری ان کو سونپی ہوگی اس کے متعلق وہ خود ہی ان سے پوچھے گا۔"

امام ابن ابی حمزہ کی تشریح:

امام ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حمزہ عظیم الشان محدث اور مقری علیہ الرحمۃ

متوفی ۶۹۹ھ اپنی مشہور کتاب "بہجۃ النفوس" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بخوف طوالت اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

"ظاہر حدیث میں تین احکام پر دلالت کرتا ہے:"

(۱) "پہلا یہ کہ اس میں خبر دی گئی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل بہ کثرت ہوئے اور یہ بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے تھے جب کوئی نبی دنیا سے رخصت ہوتا اس کے پیچھے دوسرا نبی آجاتا۔"

(۲) "دوسرا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(۳) "تیسرا یہ کہ آپ کے بعد آپ کے خلفاء بکثرت ہوں گے اور آپ نے یکے بعد دیگرے ان کی بیعت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرتے رہنے کا حکم دیا ہے اور ان حقوق کو جو اُن پہ عائد ہوتے ہیں نظر انداز کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ اللہ جل شانہٗ ہی ان سے پوچھے گا۔"

سیاست کا معنیٰ اور اس کے اہل:

اس اجمال کی تفصیل کے کئی پہلو ہیں جن پر گفتگو ہوگی۔

ان میں سے ایک یہ کہ سیاست کے معنیٰ کیا ہیں؟ سیاست کے معنیٰ یہ ہیں کہ انبیاء علیہم السلام انہیں وہ راستہ دکھاتے تھے جس پہ چل کر بنی اسرائیل عذاب الٰہی سے نجات پائیں اور وہ انہیں شفقت اور نرمی سے نجات کے راستہ پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے جیسے جانور کا مالک اسے سدھاتا ہے اور اُسے اچھے راستہ پر چلاتا ہے اور اُسے اچھی عادتیں سکھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس خبر کے دینے میں یہ حکمت ہے آپ امت کو اشارہ دے رہے ہیں کہ میرے بعد ایسا کوئی نبی نہیں جو تمہاری سیاست کی ذمہ داری اٹھائے لہٰذا تمہیں

اپنی سیاست سے غافل نہ ہونا چاہیئے اور جو ہدایات تمہیں دی گئی ہیں اُن پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے۔ اس مفہوم سے متعلق کئی ایک حدیثیں آئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے تم میں دو بڑی عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں تم جب تک انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت میرے اہل بیت (ایک حدیث میں ہے دوسری میری سنت) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے لئے انبیاء کے قائم مقام ہوں گی جو بنی اسرائیل کے لئے تھے (اور ان کی سیاست کرتے تھے گویا اب تمہاری سیاست قرآن وسنت کے تابع ہوگی) اور ایک دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں"

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ:

علماء هذه الامة تسوسهم وترشدهم الى طريق الحق كما كانت انبياء بنى اسرائيل.

"کہ میرے بعد اس امت کی سیاست اس امت کے علماء کریں گے"

اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء اور بنی اسرائیل کے انبیاء کے درمیان مماثلت ومشابہت ہے یہ مطلب نہیں کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا ہو جس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ کے برابر ہو۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ اونچے اور بلند درجہ والے ہوتے ہیں۔ دوسری بات جو اس حدیث سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ سیاست ہی اچھا طریقہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کو اپنی قوم کے حُسنِ لُطف کے ساتھ معاملہ کرنے والا بتایا اور یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اس فرمان سے ثابت ہوتی ہے جو آپ نے انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں صادر فرمایا کہ ان کے تمام انبیاء ان کی سیاست فرماتے تھے اور سیاست کی توفیق ایسے انسان سے ہی ممکن ہے جس کی طبیعت میں بہترین اخلاق رکھے گئے ہوں (جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروری ہے کان خلقه القرآن۔ کہ "آپ کا خلق قرآن ہے"۔ تو جس نے قرآن کے علوم اپنے سینے میں جمع کر لئے وہ بہترین اخلاق کا مالک ہو گیا۔ لہذا سیاست کرنا اسی کے شایانِ شان ٹھہرا) اور اس حدیث سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت کے علماء کا بڑا درجہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، آپ نے فرمایا امت کے علماء کو اپنی امت کی سیاست اور راہنمائی کے لئے ایسے قرار دیا جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء بنی اسرائیل کے لئے" اور اس حدیث سے چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ "تقديم اهل الدين على غيره" سیاست میں علماء دین کو آگے رکھا اور ان کو دوسروں پر فوقیت دی جائے۔

(از بہجۃ النفوس ج ۲ ص ۵۹، ۵۰، ۵۱ ملخصاً)

نماز کے امام عالمِ دین کو ہی سیاست میں امام ہونا چاہیئے:

امام ابن ابی جمرہ کی حدیث مذکور کی روشنی میں اس تفصیل بحث سے ثابت ہوا کہ سیاست دراصل انبیاء علیہم السلام کی شان ہے اور ان کے بعد ان کے وارثین علماء دین ہی سیاست کی ذمہ داری صحیح طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی خلافت واقتدار کا حقدار سمجھتے ہیں۔ ایک تو اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں اور دوسرے اس لئے کہ ان کا درجہ و مرتبہ
ہم سب سے بلند ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی
میں ان کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر کے انہیں لوگوں کی نماز کا امام بنایا۔

(البدایہ والنہایہ ج۴ ص۲۳۲)

ایک حدیث حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم
فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔

(مشکوٰۃ شریف: ص۳۲ کتاب العلم)

"لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں ہیں جو جاہلیت میں
ان کا سردار ہوگا وہ (مسلمان ہونے کے بعد) اسلام میں سردار ہوگا
جبکہ علم حاصل کریں اور فقہ کے عالم ہو جائیں۔"

اس حدیث کی شرح میں امام علی بن سلطان القاری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۰۱۴ھ
لکھتے ہیں (اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

"لفظ معادن، معدن کی جمع ہے۔ لوگوں کو سونے اور چاندی کی
کانیں اس لئے فرمایا جیسے کانیں سونے اور چاندی کا ٹھکانہ ہوتی ہیں
اور وہاں سونے اور چاندی کے خزانے چھپے ہوتے ہیں ایسے ہی
لوگوں کے سینے اور دل و دماغ بھی اخلاق وعادات کے ٹھکانے ہوتے
ہیں اور ان کے سینے اخلاق وعادات کے خزانے ہوتے ہیں تو جو شخص
علم میں زیادہ استعداد رکھتا ہوگا اس کی استعداد دوسروں کے مقابلہ
میں زیادہ قوی ہوگی۔ آپ نے جو فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگوں کے

راہنما اور سردار ہیں وہ اگر اسلام قبول کرلیں تو اسلام میں بھی وہ
لوگوں کے سردار اور راہنما ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلام میں آنے کے
بعد اپنے سینوں میں قرآن وسنت کے علوم جمع کر کے علماء وفقہاء ہو
جائیں، اس میں اسلام میں سرداری اور راہنمائی کے لیے قرآن وسنت
کے علوم کے حامل ہونے کی شرط لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت
کے زمانوں میں کسی کے سردار اور راہنما ہونے کا دارومدار نسب و قبائلیت
اور برادری پرستی تھی جبکہ اسلام میں کسی کے سردار اور راہنما ہونے
کا دارومدار اور قائد ہونے کی بنیاد نسب و برادری اور قبائلیت نہیں
ہے بلکہ حسب ہے (یعنی قرآن وسنت کے علوم کا حامل ہونا......
لفظ "فقھوا" قاف کی کسرہ (زیر) سے جاننے کے معنی میں ہے اور
قاف کے پیش (ضمہ) کے ساتھ فقیہ وعالم شریعت ہونے کے معنیٰ
میں ہے) (المرقاۃ شریف جلد۱ ص۲۲۰)

ثابت ہوا کہ (قرآن وسنت) کا علم رکھنے والے ہی اقتدار کے حقدار ہیں
نہ کہ جاہل وڈیرے اور سرمایہ دار۔

قرآن وسنت سے بے خبر سربراہ اسلام کی خدمت نہیں کرسکتا

جو شخص قرآن وسنت سے ناواقف ہے اگر وہ سربراہ ہو جائے تو وہ
ملک میں اسلام کا قانون نافذ نہیں کرسکتا۔ وہ اسلام کی خدمت نہیں کرسکتا، یہی
وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایسے شخص کو خلیفہ بنایا گیا جو علم
میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اگر وہ قرآن وسنت سے ناواقف ہوتے تو صحابہ
ان کو سربراہ مملکت ہی نہ بناتے اور قرآن وسنت سے واقفیت کیلئے عربی زبان

پر عبور ضروری ہے۔ اگر عربی زبان پر عبور نہ ہوا تو قرآن و سنت کا علم نہ ہوگا اور جسے قرآن و سنت کا علم نہیں وہ جاہل ہے اور جاہل شخص شریعت کے احکام نافذ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نبراس شرح عقائد میں ہے "لا سیما اذا کان جاھلا بھا" کہ خصوصاً جبکہ شریعت کے احکام سے جاہل ہو وہ شریعت نافذ نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے عوام اور وڈیرے یہودیوں کے مسلک پر گامزن ہیں اور اقتدار کے لئے قرآن و سنت کے علم والوں کی بجائے سرمایہ دار ل صنعت کاروں، رسہ گیروں، غنڈہ گردی کرنے والوں اور جاگیردار جاہلوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور یہی یہود کا خیال تھا۔ جب حضرت طالوت کو حضرت شمویل علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا گیا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ،

أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرہ: ۲۴۷)

"کہ وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اور ہم اس سے بڑھ کر بادشاہی کے حقدار ہیں اور اسے تو مالی وسعت نہیں دی گئی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر بادشاہت کے لئے اسے چن لیا اور اسے تم سے بڑھ کر علم اور جسمانی توانائی دی ہے۔"

اقتدار کے لئے دولت مندوں کا انتخاب یہودیت ہے:

بنی اسرائیل کے سرداروں اور وڈیروں نے طالوت کے اقتدار پر اعتراض کیا تھا کہ نبوت تو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں چلی آرہی ہے اور سلطنت یہودا بن یعقوب کی اولاد میں اور طالوت ان دونوں خاندانوں سے نہیں ہے

اور یہ کہ وہ ایک غریب آدمی ہے وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اقتدار وراثت نہیں کہ کسی نسل و خاندان سے مختص ہو اور نہ ہی دولتمندوں کا حق ہے بلکہ یہ علم والوں کا ہی حق ہے طالوت چونکہ تم میں زیادہ علم والے اور جسمانی طور پر توانا ہیں اس لئے اقتدار کے وہی مستحق ہیں۔ اس واقعہ سے جو ایک حقیقت مسلمہ ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ:

اللہ اپنے بندوں کے لئے جو نظام حکومت اتارا ہے اس میں دولت مندی سرمایہ داری اور نسل امتیاز اور برادری پرستی کا کوئی تصور نہیں۔

جمہوریت پرست سرمایہ داروں کی سینہ زوری:

حقیقت یہ ہے کہ یہ جمہوریت کے پرستار سرمایہ داروں کی سینہ زوری ہے کہ وہ عوام کے پیسے سے عوام کے ووٹ خرید کر عوام پر مسلط ہو کر ان پر حکومت کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام وڈیرے سرمایہ دار ملک کے خزانے سے کروڑوں بلکہ اربوں روپے کے قرضے لے کر اپنے سرمایہ و دولت میں بے پناہ اضافہ کر کے امیر سے امیر تر ہو جاتے ہیں پھر اس عوام کے پیسے سے عوام کے ووٹ خریدتے ہیں اور حال ہی میں اسمبلی کے ان ہوس پرست ممبروں نے اپنے حق میں یہ بل پاس کیا ہے کہ اب ہر ممبر کی تنخواہ ہوگی یعنی ۹ ہزار کی بجائے ۱۸ ہزار ہوگی وہ بھی ۱۹۷۵ء سے یعنی ۱۹۹۲ء کا پاس کیا ہوا "مراعات بل" ۱۹۷۵ء سے نافذ تصور ہو گیا۔ یوں اسمبلی کے نام نہاد ممبران ۱۸ سال ماضی کی تنخواہیں بھی وصول کر لیں گے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر یہ کہ وہ ٹیلیفون کے بل ادا نہیں کیا کریں گے اور یہ کہ وہ لائسنس کے بغیر اسلحہ رکھ سکیں گے پھر یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے وی آئی پی ہوں گے۔ پھر یہ کہ وہ باہر سے قیمتی گاڑیاں بغیر ڈیوٹی کسٹم ادا کئے منگوا سکیں گے۔ شرم، شرم، شرم، یہ قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم پریشان حال، بھوک کی مر رہی ہے۔

اور یہ اپنی عیاشیوں میں مشغول ہیں۔ اسمبلی ممبران کی اس ہوس پرستی سے پوری قوم کا سر ندامت سے جھک گیا ہے ؎

میرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

ملک کا خزانہ عوام کی ملکیت ہے:

جبکہ ملک کے خزانے کا نہ تو صرف وزیر اعظم مالک ہے اور نہ صدرِ مملکت اور نہ ہی ان کا کوئی وزیر و مشیر کہ یہ لوگ جہاں چاہیں، جس قدر چاہیں اور جب چاہیں خرچ کرتے پھریں بلکہ خزانہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے اور اس میں ہر شخص کا حصّہ ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ہے:

(۱) انہ مال العامۃ — کہ ملک کا خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے۔
(ہدایہ جلد ۲ صہ ۵۲)

(۲) ان مال بیت المال مال العامۃ ای عامۃ الناس — کہ بیت المال "قومی خزانہ" عام لوگوں کا مال ہے۔
(عینی شرح ہدایہ جلد ۲ صہ ۵۵)

(۳) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
فما من احد الا ولہ فی ہذا المال حق — کہ قومی خزانہ میں تمام مال مسلمانوں کا مال ہے۔
(فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۵ صہ ۳۷۶)

(۴) مال بیت المال مال المسلمین۔ — کہ بیت المال (قومی خزانے کا مال) تمام مسلمانوں کا مال ہے۔
(شرح النقایہ جلد ۲ صہ ۳۰۶)

(۵) فان لہ نصیبا من بیت المال۔ — کہ بلاشبہ قومی خزانے میں ہر شخص کا حصّہ ہے۔
(جامع الرموز جلد ۲ صہ ۵۲۳)

(۶) انہ مال لکافۃ المسلمین — کہ قومی خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے۔
(الجوہرہ جلد ۲ صہ ۲۵۹)

(۷) ان لہ فیہ ملکا حقا — کہ قومی خزانے کا ہر مسلمان مالک و حقدار ہے۔
(بدائع الصنائع جلد ۷ صہ ۷)

(۸) ان لہ فیہ شرکۃ حقیقۃ فان مال بیت المال مال المسلمین وھو منھم واذا احتاج ثبت لہ الحق فیہ بقدر حاجتہ۔ (تبیین الحقائق جلد ۳ صہ ۲۱۸)

"کہ ملک کے قومی خزانے میں ہر شخص کا حصہ ہے حقیقۃً کیونکہ قومی خزانہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے اور ہر شخص اس میں حصہ دار ہے اور جب کسی کو ضرورت ہوگی تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق قومی خزانہ میں واجب ہو جائے گا۔

(۹) فانہ مال بیت المال مال المسلمین فانہ اذا احتاج یثبت لہ الحق فیہ بقدر حاجتہ وفی الکتاب روی عن علی بن ابی طالب قال ان لہ فیہ نصیبا۔
(المبسوط جلد ۹ صہ ۱۸۸)

" بلاشبہ قومی و سرکاری خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے تو جب کسی مسلمان کو ضرورت ہوگی تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق

قومی خزانے میں واجب ہو جائے گا۔ اور کتاب الاصل امام محمد علیہ الرحمۃ میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قومی خزانے سے ہر مسلمان کا حق ہے۔

(۱۰) امام بخاری کے استاذ امام عبد الرزاق کی مصنف شریف میں ان کی سند کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

لہ فیہ نصیب — کہ قومی خزانے میں ہر شخص کا حصہ ہے۔

(۱۱) اسی میں امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

ان لہ فیہ نصیبا۔ — کہ بیشک بیت المال (قومی خزانے) میں ہر شخص کا حق حصہ ہے۔

(۱۲) اسی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ،

فان لہ فیہ حقا۔ — بیشک قومی خزانے میں ہر شخص کا حصہ ہے۔

(المصنف للامام عبد الرزاق جلد ۱۰، ص ۲۱۲)

(۱۳) شیخ الاسلام امام زکریا انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

ان لہ فیہ حقا لان ذلک قد یصرف فی عمارۃ الرباطات والقناطر فینتفع بها الغنی والفقیر من المسلمین لان ذلک مختص بھم۔

(شرح المنهاج جلد ۵ ص ۱۴۲)

" بلاشبہ قومی خزانے میں ہر شخص کا حق ہے یہ اس لئے کہ کبھی قومی خزانے

سے مساجد اور مدارس، مسافر خانوں اور پلوں کی تعمیر پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے مسلمانوں کے غنی اور فقیر مالدار اور غیر مالدار فائدہ اٹھاتے ہیں کہ یہ انہی کے ساتھ مختص ہے۔"

مطلب یہ کہ قومی خزانے سے ملک کے ہر غنی و مالدار اور ہر غریب و نادار کا حق وابستہ ہے جس سے وہ بالواسطہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ قومی خزانے سے مساجد، مدارس، مسافر خانے، پل، سڑکیں ایسی رفاہی چیزیں تعمیر کی جاتی ہیں جن سے امیر و غریب برابر فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی براہِ راست فائدہ اٹھاتے ہیں جب کسی ضرورت مند کو ضرورت ہو تو اسے اس کی ضرورت کے مطابق قومی خزانے سے دیا جائے گا۔ مثلاً ذاتی مکان کے لئے جائیداد کا خریدنا اور اس پر مکان تعمیر کرنا اور اسے خود کفیل ہونے یعنی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے دینا تاکہ وہ کاروبار کر کے اپنی اور اپنے کنبہ کی کفالت کے قابل ہو جائے یہ اس کا حق ہے اس پہ احسان نہیں ہے بلکہ یہ ریاست کی ذمہ داری میں آتا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں یہ ستم کی بات ہے کہ ایک امیر اور سرمایہ دار کو اپنی امارت اور سرمایہ میں بلا ضرورت اضافہ کرنے کے لئے کروڑوں بلکہ اربوں روپے قومی خزانے سے دیئے جاتے ہیں اور بعد میں ارباب اقتدار سے مل کر حیلوں حربوں سے وہ قرضہ معاف کرا لیتے ہیں مگر غریب بیچارہ یوں ہی مارا پھرتا ہے۔ اس کے لئے قومی خزانہ کے دروازے بند ہیں اور سرمایہ دار سے جو اسے مزدوری یا حکومت کے خزانے سے تنخواہ ملتی ہے وہ اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ اس سے اس کی گھریلو ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ یہ سب نام نہاد جمہوری نظام کے کرشمے ہیں۔

علامہ اقبالؒ اور سرمایہ دار :

۔ بندۂ مزدور کو جاکر میرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیغامِ کائنات

۔ اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات

۔ دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

۔ مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

جبکہ اسلام کے نظامِ معیشت میں ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ماہانہ وظیفہ دینے کا حکم ہے، کیونکہ اسلام کا نظامِ معیشت، کفالتی نظام ہے تنخواہی نظام نہیں اور یہ انقلاب خلافتِ اسلامیہ کی بحالی کے ذریعے لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے محنت کش کو اس نظام کی بحالی کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ملوکیت اور اسلام

اسلام نے ملوکیت سے مطلقاً منع نہیں کیا، بلکہ اسلام میں ایسی ملوکیت منع ہے جو مطلق العنان ہو جس میں اسلام کے احکام کا نفاذ نہ ہو جس میں عدل و انصاف نہ ہو، بادشاہ اسلام کے قوانین کا پابند نہ ہو علامہ اقبال علیہ الرحمۃ مغربی جمہوریت کے ساتھ ساتھ ایسی ملوکیت کی بھی مذمت کر رہے ہیں جبکہ علامہ نے ایسی ملوکیت کی تعریف کی ہے اور ایسے بادشاہوں کی بھی تعریفیں کی ہیں جو عدل و انصاف کرنے میں بڑے بہادر تھے۔

درج ذیل شعروں میں علامہ اقبال سلطان محمود غزنوی کی مساوات و انصاف پسندیؒ کو بیان فرما رہے ہیں ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ بندہ نواز

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفسِ ہندی، مقامِ نغمہ، تازی
نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ!
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

اس میں علامہ نے اپنے آپ کو سلطان محمود غزنوی کی طبیعت کا حامل اور ایازی قسمت کا مالک قرار دیا ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی ایک عالم و فاضل

انتہائی عادل بادشاہ تھا۔

مقامِ محمود :

سلطان محمود غزنوی کی سلطانی و ملوکیت اللہ تعالیٰ کی وہ رحمتِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ تھی کہ آج کی جمہوریت اس کے دربار کی ایک ادنیٰ اسی لونڈی کے پاؤں کی گردِ راہ کے مقام کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ سلطان محمود اسلام کے ان بادشاہوں میں سے ہیں جن کی سلطانی و ملوکیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ قرار دیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ملوکیت کو علی الاطلاق بُرا نہیں کہنا چاہیئے :

لہٰذا ملوکیت کو علی الاطلاق بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ نفسِ ملوکیت کا جواز خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۴۶ میں ہے کہ

بنی اسرائیل کے مطالبہ پر کہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے جس کی کمان میں وہ جہاد کا فریضہ انجام دیں تو شموئیل علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے جناب طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کر دیا جو حضرت شموئیل علیہ السلام کی ہدایات پر چلتا تھا اور بنی اسرائیل کی راہنمائی کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ایسی ملوکیت اور بادشاہی نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے جو پیغمبر کی ہدایات و تعلیمات پر قائم ہو اور عوام کو بھی ان ہدایات و تعلیمات کا پابند کرے۔ جن علماء اور فقہاء اور بزرگوں نے بعض بادشاہوں کی تعریفیں کی ہیں وہ بادشاہ ایسے ہی تھے اور ان بادشاہوں کے خلاف کہیں تاریخ میں کوئی مواد اگر ملتا ہے تو غلط و مبالغہ آمیزی ہے یا واقعات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے یا دشمنانِ اسلام کا ملاوٹ کردہ ہے تاکہ سلاطینِ اسلام کو بدنام کر کے اسلام پر حرف گیری کی جائے۔ علماء دین و ائمہ دین کسی ظالم بادشاہ کی

مدح سرائی کرنے والے نہیں۔ اگر کسی کی مدح سرائی ہوتی ہے تو وہ اُن کے نزدیک شرعی و اسلامی نقطۂ نظر سے واقعی لائقِ تعریف تھے۔ ایسے بادشاہوں کی ملوکیت کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السلطان ظل اللّٰہ فی الارض فمن اکرمہ اکرمہ اللّٰہ ومن اھانہ اھانہ اللّٰہ۔

ترجمہ: "عادل و ایماندار بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے تو جس نے اس کی تعظیم کی اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کی توہین کی اللہ اسے ذلیل کرے گا۔"

(طبرانی و بیہقی کی حدیث صحیح ہے جامع صغیر جلد ۲ ص ۳۳)

سلطان محمود غزنوی کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

سلطان محمود غزنوی کے مقام کی بات چلی تھی اسے ہم مکمل کرتے ہیں :-

علامہ اقبال نے آپ کو سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی طبیعت کا حامل قرار دیا ہے یہ اس بادشاہ کے ساتھ بے حد عقیدت کا مظاہرہ ہے، سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ تاریخِ فرشتہ میں طبقاتِ ناصری کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان محمود اس مشہور حدیث " اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ" کہ علماء دین نبیوں کے وارث ہیں اور قیامت کے بارے میں اور اپنے سبکتگین کے بیٹے ہونے کے بارے میں علم الیقین سے بڑھ کر حق الیقین کا طلبگار تھا۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی

کہیں جا رہے تھے۔ خادم سونے کا شمعدان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا
تھا۔ راستے میں اُسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسہ میں بیٹھا اپنا سبق یاد کر رہا
تھا۔ اس طالب علم کے پاس جلانے کے لئے تیل نہ تھا اس لئے وہ پڑھتے پڑھتے
جب بھول جاتا تو ایک بنئے (ہندو) کے چراغ کے پاس آکر اپنی کتاب کو
پڑھ لیتا۔ سلطان محمود کو اس نادار و غریب طالب علم کی حالت پر رحم آیا اور
اس نے وہ سونے کا شمعدان جو خادم نے اٹھا رکھا تھا اس طالب علم کو دیدیا۔
جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں سلطان محمود کو حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے محمود سے فرمایا:
"اے ناصر الدین (دین کی مدد کرنے والے بادشاہ) سبکتگین کے بیٹے
خدا تعالیٰ تجھ کو قیامت کے دن ویسی عزت دے جیسی تُو نے میرے ایک وارث
کی قدر کی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں
مذکورہ بالا تین باتوں سے متعلق یقین میں بے حد اضافہ ہوا اور اُسے مطلوبہ
حق الیقین حاصل ہوگیا (تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ بہ تغیر یسیر)

سلطان محمود غزنوی کا عدل:

سلطان محمود غزنوی کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اسے ناقابل تردید ذرائع
سے جب معلوم ہوا کہ اس کا سگا بھانجا اس کی رعیت کے غریب آدمی کی بیوی
سے زبردستی بدکاری کرتا ہے۔ تو سلطان محمود غزنوی نے قسم کھائی کہ جب تک اس
بدکاری میں مبتلا بھانجے کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کر دوں گا پانی نہیں پیوں گا۔ چنانچہ
اس غریب آدمی کی اطلاع پہ اس کے گھر خفیہ طور پہ پہنچا اور اپنے بھانجے کو بدکاری
میں مبتلا پایا تو اپنے ہاتھ کی تلوار سے اس کا سر قلم کر ڈالا۔ پھر پانی پیا۔
(تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۸)

نیز محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کے علاوہ بھی علامہ نے اپنے کلام میں کئی
ایک نیک بادشاہوں کی تعریفیں کی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہی
بُری ہے جس میں ظلم و ستم ہوں اور اسلام کے احکام کی پابندی نہ ہو۔
ایک اور حدیث شریف میں ہے:

السلطان العادل المتواضع ظل الله ورمحه في
الارض يرفع الله له عمل سبعين صديقا۔
(جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۳۷)

"کہ عدل و انصاف کرنے والا منکسر المزاج بادشاہ زمین میں
اللہ تعالیٰ کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر
صدیقین کا عمل بلند فرماتا ہے۔ یعنی ستر صدیقین کے برابر ثواب
پاتا ہے۔"

خلافتِ اسلامیہ کے مختلف ادوار

(۱) پہلا دور خلافتِ راشدہ کا ہے جس کی ابتداء ۱۱ھ سے امیر المومنین
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے اور انتہاء ۴۱ھ خلافتِ امام
حسن رضی اللہ عنہ کے اختتام پہ ہوئی۔

(۲) دوسرا دور خلافت بنی امیہ کا ہے جس کی ابتداء ۴۱ھ حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ اور انتہاء ۱۳۲ھ خلافت مروان الحمار پہ ہوئی۔

(۳) تیسرا دور خلافت بنی عباس کا ہے جس کی ابتداء ۱۳۲ھ خلافتِ سفاح
ابو العباس سے اور انتہاء ۹۰۳ھ خلافتِ متوکل المتمسک باللہ پہ
ہوئی۔

(۴) چوتھا اور آخری دور خلافت عثمانیہ کا ہے جسے ختم ہوئے صرف ۶۷ سال ہوئے ہیں۔

اسلام میں الگ الگ ریاستوں کا کوئی تصور نہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلام میں ایک ہی خلیفہ و امام و حکمران اور ایک ہی اسلامی ریاست ہے۔ بلاشبہ اسلام میں الگ الگ اور آزاد اسلامی ریاستوں کا کوئی تصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو
اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ۔"

علامہ اقبال اور مصطفےٰ کمال:

لیکن افسوس مسلمان آپس میں پھٹ گئے اور اسلامی وحدت کو توڑ کر الگ الگ آزاد ریاستیں قائم کر کے بیٹھ گئے۔ آخری خلافت، خلافتِ عثمانیہ تھی۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ خلافتِ عثمانیہ، خلافت تھی یا سلطنت خواہ کچھ تھی اس میں شک نہیں کہ سلطنت یا خلافت عثمانیہ تک امتِ مسلمہ وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی تھی۔ خلافتِ اسلامیہ کا یہ نظام سنہ ۱۹۲۴ء تک چلتا رہا آخر اسے مصطفےٰ کمال اتاترک کے ذریعے سنہ ۱۹۲۴ء کو ختم کر دیا گیا۔ اور ایک اسلامی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ علامہ اقبال مصطفےٰ کمال کی اس حرکت پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

مصطفےٰ کو از تجدد می سرود
گفت نقش کہنہ را باید زدود

"یعنی مصطفےٰ کمال ایک نئے نظام نام نہاد جمہوریت کے گن گاتا ہے اور کہتا ہے کہ پرانے (نقشِ خلافت) کو آگ لگا دو۔"

؎ نو نہ گردد کعبہ را رختِ حیات
گر ز افرنگ آیدش لات و منات

"یعنی کعبہ کا ساز و سامان کوئی نیا نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کے پاس مغرب کے لات و منات آ جائیں۔"

علامہ اقبال ایک اور جگہ مصطفےٰ کمال کے خلاف یوں فرماتے ہیں ؎

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ (کلیات ۱۸۲)

خلافت یا سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی عظیم الشان اسلامی ریاست کے حصے بخرے ہو گئے، حد بندیاں قائم ہو گئیں جس کے نتیجے میں ایک مسلم قوم وطنیت و علاقیت کے نام سے کئی قوموں میں بٹ گئی اور علیحدہ علیحدہ جوازات (پاسپورٹ) معرضِ وجود میں آ گئے اور مسلمانوں کے درمیان ویزوں کی لعنت قائم ہو گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ — مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰)

مسلمان آپس میں بھائی اور ناقابلِ تقسیم اکائی ہیں:

یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ناقابلِ تقسیم اکائی ہیں کہ دینی رابطہ اور اسلامی و ایمانی محبت کے ساتھ آپس میں مربوط ہیں۔ یہ رشتہ دنیوی رشتوں سے زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

اَمَّا الْبُنْیَانُ فَھُوَ الْاِسْلَامُ — "کہ مسلمانوں کے باہمی بھائی چارے اور باہمی اتحاد کی بنیاد و عمارت اسلام ہی ہے۔"

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۹)

جب عمارت کے ٹکڑے ہو جائیں تو وہ گر جاتی ہے یا کھوکھلی اور کمزور ہو جاتی ہے۔ یوں مسلمانوں نے اپنی قوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے کمزور کر ڈالا جس سے ان کی بقاء خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا

ہر کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس بعض، بعض کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔

(مسند امام احمد جلد ۴ ص ۴۰۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی اور آپس کے تعلق کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے پر کھڑی ہیں جنہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کریں گے تو عمارت ہی گر پڑے گی۔ لہٰذا مسلمانوں کو الگ الگ آزاد ریاستوں، الگ الگ قومیتوں کے بنانے اور آپس کے درمیان ویزوں کی پابندی قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ احکام اسلام سے کھلی بغاوت ہے۔

تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱)

“ہر کہ مسلمان کی مثال باہمی مودت و محبت اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں ایک جسم کی سی ہے۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے باقی تمام جسم کے اعضاء اس ایک عضو کے لئے

ایک دوسرے کو جاگنے اور بخار میں مبتلا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔”

یعنی جب جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو جسم کے دوسرے تندرست اعضاء بھی ایک دوسرے کو اس بیمار عضو کے ساتھ تکلیف میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں مطلب یہ کہ شریک ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ جاگتے ہیں اور بخار میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں ؎

میرا رونا نہیں، رونا ہے سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل ہے گویا خزاں میری

(اقبالؒ)

مسلمانوں کا آپس میں ایسا تعلق اس صورت میں ہی قائم رہ سکتا ہے جب الگ الگ ریاستوں کی بجائے ایک عظیم الشان اسلامی ریاست ہو اور الگ الگ حکمرانوں کی بجائے ایک ہی حکمران ہو۔ اس کے برعکس نام نہاد آزاد ریاستوں کی صورت میں مسلمانوں کی باہمی اجتماعی محبت و اخوت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ الگ الگ آزاد ریاستوں کی صورت میں مسلمانوں کے درمیان وہ اخوت و محبت و یکجہتی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں تصور پایا جاتا ہے نظر ہی نہیں آتا بلکہ اس کے برعکس باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت، نفاق و بغض اور خونریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ نظر آتا ہے۔ ایران و عراق کے درمیان آٹھ سالہ جنگ میں کتنے مسلمانوں کا خون بہا اور مسلمانوں کے خون کی کتنی ندیاں بہہ گئیں، کوئی بتا ہی نہیں سکتا۔ پھر عراق و کویت کے معرکہ میں کتنی جانیں ضائع ہوئیں اور کتنی ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں۔ کتنے بچے یتیم ہوئے۔ کتنی عمارتیں کھنڈروں میں تبدیل ہوئیں، خون کے کس قدر دریا بہے یہ حساب سے باہر ہے۔ اس کے بعد بھی ایک اسلامی ریاست کے قیام کی

ضرورت میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

چوتھی حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی رأسہ اشتکی کلہ۔	"تمام مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم درد کرتا ہے اور اس کا سر دکھتا ہے تو سارا جسم درد کا احساس کر رہا ہوتا ہے۔
(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)	

اس قسم کی صورتِ حال کہ ایک مسلمان پریشان ہو تو سارے مسلمان پریشان ہو جائیں اور اس کی امداد کو بھاگیں ایک اسلامی ریاست اور خلافتِ اسلامیہ کے قیام سے ہی ممکن ہے اس کے برعکس الگ الگ آزاد ریاستوں کے وجود نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ دکھ درد میں شریک ہونے کی بجائے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے دُکھ درد سے اجنبی اور بے پرواکر ڈالا ہے ایک ملک ہے کہ وہ اس قدر دولتمند ہے کہ اس کی دولت دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ کے بینکوں میں نہیں سماتی جبکہ دوسرا ملک اس قدر غریب ہے کہ اس کے باشندے کو نہ کھانے کو کچھ ملتا ہے اور نہ پینے کو۔ ایک مسلمان ملک ہے کہ اس کے باشندوں کی امارت و دولت کا یہ حال ہے کہ ان کی ضرورت کی ہر چیز باہر سے آتی ہے اور سر میں درد ہو تو امریکہ پرواز کر جاتے ہیں اور دوسرا مسلمان ملک ہے کہ اس کے باشندے علاج کی سہولت نہ ملنے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ یہ صورتحال کب تک گوارا کریں گے۔ کوئی ہے جو خدائی تازیانوں کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھے اور عالم اسلام کی متزلزل عمارت کو گرنے سے

بچانے کی فکر میں ہمارا شریک فکر و سفر ہو۔ اگر کوئی ہے تو آئے ہمارا شریک فکر ہو۔

نہ رہ اپنوں سے بے پرواہ اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو رہنا

خلافت:

خلافت وہ حکومت عامہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں دین اور دنیا کے تمام معاملات، شریعتِ اسلامیہ کے مطابق انجام دیئے جائیں۔

خلیفہ:

خلیفہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے دین کی حفاظت کرے اور سلطنت کے جملہ معاملات شریعتِ اسلامیہ کے مطابق انجام دے۔ اس کی حکومت اسلامی حکومت کہلائے گی۔

اسلامی حکومت:

اسلامی حکومت اس حکومت کو کہتے ہیں جس کا تمام نظم ونسق شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہو۔ اسے خلافتِ اسلامیہ و امارات شرعیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اسلامی حکومت کا دستور و قانون:

اسلامی حکومت کا دستور، آئین اور قانون، سب کچھ قرآن و سنت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شئے کا روشن بیان (ہر مسئلہ کا مکمل حل) ہے، اور مسلمانوں کے لئے راہنمائی اور رحمت اور خوشخبری"۔

(سورۃ النحل: ۸۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ،

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور ان دو چیزوں میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت۔"

(مشکوٰۃ شریف صہ ۳۱)

"اور فرمایا: کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ (اُمت میں) بہت سے اختلافات دیکھے گا تو تمہارے لئے لازم ہوگا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت (طریقہ) کو اختیار کرو۔ اور اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔"

(مشکوٰۃ شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کا دستور، آئین اور قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست — زیر گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ اولایزال است و قدیم

ترجمہ: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تمہارے استحکام و قوت کا راز کیا ہے؟ وہ زندہ کتاب قرآن حکیم ہے۔ اس کی حکمت دائمی اور قدیم ہے۔"

انسانوں کا بنایا ہوا دستور:

انسانوں کا بنایا ہوا دستور اسلامی ریاست کا دستور و آئین نہیں ہو سکتا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ہر آنے والا حکمران اپنی خواہش کے مطابق اس میں ردو بدل کرتا اور اسے کچھ سے کچھ بنا کر رکھ دیتا ہے

جبکہ قرآن حکیم میں ردو بدل ممکن نہیں ہوتا لہٰذا دستور و آئین وہی ہونا چاہیے جس میں کوئی انسان ردو بدل کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

علامہ ڈاکٹر محامی محمود اپنی کتاب "الشوریٰ فی الاسلام" میں لکھتے ہیں:

فالحکومیة الاسلامیة حکومة شورائیة عادلة دستورها القرآن وهادیها المصطفی صلی اللہ علیه وسلم وسنته ولیست الحکومة الامویة و العباسیة دلیلاً علیها۔ (الشوریٰ فی الاسلام ص۹)

"پس اسلامی حکومت شورائی عدل والی حکومت ہے جس کا دستور قرآن اور اس کے راہبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سنت ہے اور حکومتِ اسلامیہ اور عباسیہ حکومتِ اسلامیہ کی دلیل و راہنما نہیں۔"

خلافت کا نظام تمام مسلمانوں کے لئے ہے:

بلاشبہ خلافت کا نظام تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ یہ نظام کسی قبیلہ اور کسی خاص علاقہ کے لئے نہیں ہے۔ جب خلیفہ منتخب ہوگا تو تمام اسلامی ممالک کے لئے ہوگا۔ اور تمام اسلامی ممالک پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ملکوں کی آزاد حیثیت کو ختم کر کے ایک ہو جائیں اور اس خلیفہ کی اطاعت قبول کریں۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ آزاد ریاستیں امت میں تفرقہ ڈالنے کے مترادف ہے جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ — "اور اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ جاؤ۔"

(آل عمران: ۱۰۳)

دوسری جگہ فرمایا :

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۔

(الانعام : ۱۵۳)

"مسلمانو! تم مختلف راہیں نہ چلو۔ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے جدا کردیں گی"

اور حدیثوں میں آچکا کہ "جو امام کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا، جو اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی کی موت مرا" جو اس حال میں مرا کہ اس پر مسلمانوں کی جماعت (امت مسلمہ) کے ایک امام کی اطاعت (فرمانبرداری) نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا" جس سے یہ ہوسکے کہ ایک دن نہ سوئے اور نہ ہی صبح گزارے اور نہ ہی شام گزارے مگر اس حال میں کہ اس پر ایک ہی امیر ہو وہ ضرور کرے"

(مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۱۸ تا ص ۲۲۵)

عقائد اسلامیہ کی کتابوں میں ہے :

"تمام لوگوں کے معاملہ کا انتظام ایسے طریقہ پر جو دین و دنیا کی بھلائی تک پہنچانے والا ہو۔ دین و دنیا میں ایک ایسی ریاستِ اسلامیہ (اور ایک خلیفہ) کا محتاج ہے جو تمام عالم اسلام پر حاوی ہو کیونکہ اگر مختلف علاقوں کے مختلف، متعدد حکمران ہوں تو اس سے باہمی لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچ جائے گی جس سے عالمِ اسلام کے نظام میں خلل واقع ہوگا"

(شرح عقائد طبع مصر ص ۱۴۳ و شرح مقاصد جلد ۲ ص ۲۷۲ و شرح مسامرہ جلد ۲ ص ۱۴۳)

لہٰذا واضح ہوگیا عقیدۂ اسلامیہ کی رُو سے الگ الگ آزاد حکومتوں کا کوئی جواز نہیں سب پر ایک خلیفہ کا ماننا فرض عین ہے ۔

جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ :

"من مات ولم يعرف امام زمانه مات ميتة جاهلية۔"

"جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو پہچانے بغیر مرا تو جاہلیت کی موت مرا۔"

کسی ایک ملک میں وہاں کے علماء و فقہاء کے ذریعے جب خلیفہ کا تقرر عمل میں آئے گا تو وہ عام ہوگا کسی ایک علاقہ کے لئے نہیں۔ کیونکہ اسلام میں خلافت کا تصور اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جب وہ تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہوا تو اس کو خلیفہ نہ ماننے والا اور اس کی اطاعت نہ کرنے والا اور اپنے آپ کو اس کے زیر نگیں نہ کرنے والا ملک یا حکمران باغی قرار پائے گا جس کی سرکوبی فریضہ شرعیہ ہوگی۔ لیکن بقدر استطاعت و قدرت، بصورت عدم استطاعت حسن اخلاق و تبلیغ و تلقین سے اسے قبولِ حق کی دعوت دی جاتی رہے گی۔ اور وہاں کے عوام و خواص کے ساتھ روابط بڑھائے جائیں گے اور انہیں اس حکم شرعی سے آگاہ کرنے کے ساتھ اپنے ساتھ ہمنوا بنانے کی کوشش جاری رکھی جائے گی تا آنکہ وہاں کے عوام اس حکمران کو خلیفۂ وقت اور اسلامی ریاست کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کردیں اور اس دوران اسلامی ریاست کو دوسرے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ شریعت کے تقاضا کے مطابق فراخدلانہ برتاؤ کرنا ہوگا کہ ویزا کے سلسلے میں پابندی نرم کردینا ہوگی تاکہ اس کے مثبت اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑیں اور انہیں الحاق کا احساس ہو کہ ہم سب بھائی ہیں اور ہم اخوت اسلامیہ کی بناء پر ناقابلِ تقسیم اکائی ہیں۔ ہمارا حکمران ایک ہی ہوسکتا ہے دو نہیں ہوسکتے۔ ہماری ریاست ایک ہی ہوگی دو نہیں۔

چنانچہ امام ماوردی ۴۵۰ھ فرماتے ہیں کہ :

لایجوز للامۃ امامان فی وقت واحد۔ "امت مسلمہ کے ایک وقت میں دو سربراہِ مملکت نہیں ہو سکتے۔"
(احکام سلطانیہ ص۹)

اور امام قاضی ابویعلی علیہ الرحمۃ اپنی "احکام سلطانیہ" میں فرماتے ہیں کہ:

فان اجاب الیہا بایعوہ علیہا وانعقدت لہ الامامۃ ببیعتہم ولزم کافۃ الامۃ الدخول فی بیعتہ والانقیاد لطاعتہ۔

"پس اگر خلافت کا اہل خلافت کی ذمہ داری قبول کرے تو اہل حل وعقد اس کی بیعت کریں گے اور ان کی بیعت سے اس کی امامت منعقد ہوگی اور تمام امت پر فرض ہوگا وہ اس کی بیعت میں داخل ہو اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرے۔"

لہذا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلیفہ تمام عالمِ اسلام کا ہی خلیفہ ہوگا اور وہ ایک ہی خلیفہ ہوگا۔

خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوگا:

خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوگا الا یہ کہ وہ خود خلافت سے دستبردار ہو جائے یا اس کے خلافت کے قابل نہ رہنے پر اہل حل وعقد اسے معزول کرکے اس کی جگہ دوسرے خلیفہ کو مقرر کریں۔ ایک صالح وعادل خلیفہ کا بلا وجہ شرعی وبلا ضرورت شرعی خلافت سے دستبردار ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی:

یَا عُثْمَانُ انہ لعل اللہ یقمصک قمیصا فان ارادوک

علی خلعہ فلا تخلعہ لہم۔ (ترمذی شریف)

"اے عثمان! بلاشبہ تمہیں اللہ تعالیٰ خلافت کی قمیص پہنائے گا پس اگر لوگ چاہیں کہ تم اسے اتار دو تو ان کے کہنے پر اسے نہ اتارنا۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ م ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب خلیفہ بنائے گا پھر اگر لوگ تجھے خلافت سے معزول کرنا چاہیں تو ان کے کہنے پر اپنے آپ کو معزول نہ کرنا اور خلافت سے دستبردار نہ ہونا" لکونک علی الحق وکونہم علی الباطل" کہ تم حق پر ہوگے اور وہ باطل پر ہوں گے۔ اور ایسی صورت میں قبولِ معزولیت میں ایہام وتہمت ہے لہذا حضرت عثمان نے یوم الدار کے محاصرہ کے باوجود اپنے آپ کو معزول نہ فرمایا۔"
(لمعات شرح مشکوٰۃ)

اہمیت عہدۂ خلافت:

عہدۂ خلافت ایک اہم عہدہ ہے اور یہ نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عہدہ کی عظمت وجلالت کا تقاضا ہے کہ اس کی مدت کا تعین نہ کیا جائے۔ خلافت کا سلسلہ صدیوں جاری رہا حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء تک خلافت کا نظام قائم رہا اس دوران ہزاروں علماء وفقہاء اور دانشور ہوئے مگر کسی نے بھی خلافت کے لئے مدت کے تعین کا نہ سوچا۔ کیونکہ خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت اور ایمان کو لازم وملزوم قرار دیا اور فرمایا: ان الایمان والعلم یکونان مع الخلافۃ۔

(حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۸۶ / صفحہ ۸۷) کہ ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہوں گے
لہٰذا خلافت کی مدت کا تعین اس عظیم الشان منصب کی عظمت و جلالت کے
منافی ہے اور اس کی عظمت کے منافی کام جائز نہیں لہٰذا اس کے لئے مدت
کا تعین بھی جائز نہیں۔

خلیفہ کو معزول کیا جا سکتا ہے:

جب یہ بات مسلم ہے کہ خلیفہ کو اس کی نااہلی کے ظہور پر اپنے منصب خلافت
سے معزول کیا جا سکتا ہے تو مدت کا تعین غیر ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ علامہ شامی
فتاویٰ شامی میں لکھتے ہیں:

" بلاشبہ اُمت (کے اہل حقدار) کو کسی ایسے سبب سے جو خلیفہ کی
معزولی کو ضروری قرار دیتا ہو خلیفہ کو معزول کرنے کا حق ہے مثلاً
اس کے عہد میں مسلمانوں کے حالات میں خلل پڑ رہا ہو، دین کے
امور کمزور ہو رہے ہوں جیسا کہ انہیں اس کو خلیفہ مقرر کرنے کا حق
ہے (ایسے) انہیں معزول کرنے کا بھی حق ہے۔"

(فتاویٰ شامی جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)

نیز اس میں ہے کہ،

والخلیفۃ من یکون نائبا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلابد ان یمشی خلفہ علی طریقہ

(صفحہ ۵۱۴)

"کہ خلیفہ نبی کے پیچھے اس کا قائم مقام ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ آپ کے پیچھے آپ کے راستہ پر چلے۔"

جب وہ آپ کے پیچھے آپ کے طریقہ پر نہیں چلے گا تو معزولیت کا مستحق ہوگا۔

جب اُسے معزول کیا جا سکتا ہے تو مدت کے تعین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خلیفہ کون مقرر کرے گا؟

خلیفہ کے تقرر کا اختیار اہل حل وعقد کو ہے اور وہ علماء و فقہاء کرام ہیں
چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ:

ان الاجماع لا ینعقد الا بقول العلماء الذین یمکنھم استنباط احکام من نصوص الکتاب والسنۃ وھم المسمون باھل الحل والعقد فی کتب اصول الفقہ۔

(تفسیر کبیرہ (صفحہ ۱۵۱))

"اجماع ان علماء کے قول سے ہی منعقد ہوگا جنہیں کتاب و سنت
کی نصوص سے احکام کے اخذ کرنے کی استعداد حاصل ہے اور انہی
علماء کو اصول فقہ کی کتابوں میں اہل حل وعقد کے نام سے مسمّی کیا گیا ہے۔"

اور قاضی بیضاوی کی منہاج الاصول کی شرح نہایۃ الوصول میں ہے کہ اہل
حل وعقد وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت سے اس کے احکام اخذ کر سکتے ہیں۔

(جلد ۳ : صفحہ ۲۳۷)

خلیفہ کا تقرر کون کرے گا؟

رہا یہ سوال کہ خلیفہ کے تقرر کے ذمہ داری کس پہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ
فقہ اور عقائد کی کتابوں میں خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری امت کے دو طبقوں پر عائد
کی گئی ہے ایک اہل اختیار جنہیں اہل حل وعقد بھی کہا گیا ہے یعنی علماء و فقہاء
جو کتاب و سنت سے احکام اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور دوسرے
اہل امامت ہیں جن میں امام یا خلیفہ ہونے کی اہلیت پائی جاتی ہے۔
چنانچہ امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

احدھما اھل الاختیار حتی یختاروا اماما والثانی اھل الامامۃ حتی ینتصب احدھم للامامۃ۔

(الاحکام السلطانیۃ ص۵، ۶)

" ان میں سے ایک اہلِ اختیار ہیں وہ بری الذمہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ ایک خلیفہ مقرر کریں اور دوسرے اہلِ امامت، وہ بری الذمہ نہ ہوں گے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک خلافت کی ذمہ داری قبول کرے۔

اور قاضی امام ابویعلیٰ اپنی احکام سلطانیہ میں فرماتے ہیں کہ:

وھی فرض علی الکفایۃ مخاطب بھا طائفتان من الناس احدھما اھل الاجتھاد حتی یختاروا والثانیۃ من یوجد فیہ شرائط الامامۃ حتی ینتصب احدھم للامامۃ۔

" خلافت کا قائم کرنا فرضِ کفایہ ہے اور اس کی ذمہ داری امت کے دو طبقوں پر ہے۔ ایک اہلِ اجتہاد، یہاں تک کہ وہ کسی کو خلیفہ مقرر کریں اور دوسرے وہ لوگ جن میں خلافت کی شرائط پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی خلافت کی ذمہ داری قبول کرے۔"

(الاحکام السلطانیۃ: ص۱۹)

خلیفہ مقرر کرنے والوں کی اہلیت کے شرائط:

اہلِ اختیار یا اہلِ اجتہاد اور دوسرے لفظوں میں اہلِ حل وعقد جو خلیفہ مقرر کریں گے ان میں تین شرائط کا ہونا ضروری ہے

(۱) ایک عدالت یعنی صالح و ثقہ ہونا۔

(۲) دوسری علم، یعنی کتاب وسنت اور تاریخ اسلامی سے واقف ہونا تاکہ وہ اسی علم کی روشنی میں خلافت کے لئے موزوں و مستحق انسان کا تعین کر سکے۔

(۳) تیسری شرط: یہ ہے کہ وہ اہلِ رائے و اہلِ فکر و دانش اور صاحبِ بصیرت ہو تاکہ اس کو خلافت کے لئے موزوں ترین فرد کے اختیار کرنے کا ملکہ و مہارت حاصل ہو۔

خلافت کی اہلیت کے شرائط:

خلافت کی اہلیت کے چار شرائط ہیں:

نمبر۱: ایک قرشی ہونا یعنی قریش (جن کا نام نضر بن کنانہ ہے) کی اولاد سے ہونا۔

نمبر۲: دوسری قضاء کی صفت کا حامل ہونا یعنی حر، عاقل و بالغ اور عالم و عادل ہو۔ اگر عالم دین نہ ہوگا تو وہ دین اسلام کے قانون کو جاری نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ نبراس میں ہے:

ان لم یکن موصوفا بشرائط الامامۃ لم ینفذ الاحکام الشرعیۃ منہ سیما اذا کان جاھلا۔

(نبراس ص۵۱۴)

" یعنی اگر مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ امامت کے شرائط سے موصوف نہ ہوگا تو اس سے شریعت کا نظام نافذ نہ ہوگا خصوصاً جب وہ شریعت سے جاہل ہو۔"

نمبر۳: تیسری حرب وسیاست اور اقامتِ حدود کی جرأت وہمت رکھنے والا ہو کہ اس میں کمزوری کا مظاہرہ کرنے والا نہ ہو۔

نمبر۴: چوتھی شرط علم اور دین میں بلند ترین مقام رکھتا ہو۔

(الاحکام السلطانیہ ص۲۰)

کیا غیر قریشی خلیفہ ہو سکتا ہے:

کئی ایک احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔ عقائد اسلام کی کتابوں میں
اس پر اجماع منقول ہے لیکن خوارج وبعض معتزلہ اور اس دور کے کچھ مفکرین
اسے غیب کی ایک خبر قرار دیتے ہیں، اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم
نہیں ٹھہراتے۔ چنانچہ علامہ محمد فرید وجدی "دائرہ معارف القرآن العشرین"
میں اپنی رائے بھی یہی لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ
جب تک قریش میں سے کوئی خلافت کا اہل ہوگا۔ خلیفہ اسی کو بنایا جائے گا
اور اگر قریش میں سے کوئی خلافت کا اہل نہ ملے تو غیر قریش میں سے بھی خلیفہ
ہو سکتا ہے۔ امام باقلانی علیہ الرحمۃ بھی خلیفہ کے لئے قریشی کی شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔

(الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ صـ ۲۱۹)

(ملاحظہ ہو دائرہ تعارف القرآن العشرین جلد ۳ صـ ۲۱۶ تا صـ ۲۱۸)

اس سلسلے میں اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی کتاب
"دوام العیش" لائق دید ہے۔

ایک وقت میں متعدد خلیفے:

کیا ایک وقت میں متعدد یعنی کئی ایک خلیفے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب
یہ ہے کہ ایک وقت میں دنیائے اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہوگا متعدد خلیفے نہیں
ہو سکتے۔ پھر اس بات پر تو سب امت کا اجماع واتفاق ہے کہ ایک خطہ ارضی پہ
ایک ہی خلیفہ ہوگا مگر زمین کے خطے جو ایک دوسرے سے نہایت ہی دور واقع
ہوں کہ ایک مغرب میں ہو جیسے مغرب اقصیٰ (مراکش)، اور دوسرا مشرق میں ہو
جیساکہ پاکستان، دونوں خطوں کے درمیان سمندر حائل ہو تو چونکہ نہایت
دوری یا درمیان میں سمندر کے حائل ہونے کی وجہ سے دو ملکوں کا آپس میں
رابطہ مشکل ہے اور خلیفہ کو اپنی رعیت سے رابطہ میں دقت اور دشواری ہوگی

لہٰذا ان دو خطوں کے الگ الگ خلیفے ہو سکتے ہیں۔
چنانچہ امام ابو اسحاق اسفرائنی کے شاگرد رشید امام الاصولیین استاذ
ابو منصور امام عبد القاہر بن طاہر بن محمد البغدادی علیہ الرحمۃ متوفی سنہ ۴۲۹ھ
اپنی مشہور کتاب "اصول الدین" میں لکھتے ہیں:

قال اصحابنا بوجوب نصب الامام فی کل حال (الی ان
قال) لا یجوز ان یکون فی الوقت الواحد امامان واجبی
الطاعۃ و انما ینعقد امامۃ واحد فی الوقت ویکون
الباقی تحت رایتہ (الی ان قال) الا ان یکون بین البلدین
بحر مانع من وصول نصرۃ اہل کل واحد منہما
الی الاخرین فیجوز حینئذ لاہل کل واحد منہما عقد
الامامۃ لواحد من اہل ناحیتہ۔

(اصول الدین صـ ۲۷۴) طبع لاہور۔

"ہمارے اصحاب (اہل سنت) نے فرمایا کہ ہر حال میں خلیفہ کا
تقرر واجب ہے اور جائز نہیں کہ ایک وقت میں دو واجب
الاطاعت خلیفے ہوں ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہوگا اور باقی
اس کے جھنڈے تلے ہوں لیکن اگر دو شہروں یا ملکوں کے درمیان
سمندر حائل ہوں دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں
کر سکتے تو ایسی مجبوری کی حالت میں ان دو شہروں یا ملکوں کے لوگوں
کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک کا الگ الگ خلیفہ مقرر کریں"
اس میں امام عبد القاہر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی
خلیفہ ہوگا مگر جب دو ملکوں میں اس حد تک دوری ہو کہ مشرق ومغرب کا سا

بُعد اور نہایت درجہ کا فاصلہ ہو کہ وہ ملک ایکدوسرے سے اس طرح کٹے ہوئے ہوں کہ ایکدوسرے کی مدد نہ کر سکیں، رسل و رسائل و وصل و صائل، ذریعۂ تعلق اور اسباب ربط باہمی کا فقدان ہو تو دونوں ملکوں کے الگ الگ دو خلیفے ہو سکتے ہیں اور اگر تین ملکوں کی یہی صورتحال ہو تو تین خلیفے ہوں گے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح شرح مواقف میں ہے:

لا یجوز العقد لامامین فی صقع ای جانب متضائق الاقطار لادائه الی وقوع الفتنة واختلال النظام اما فی متسعها ای اما العقد لامامین فی صقع متسع الاقطار بحیث لا یسع الواحد تدبیرہ فهو محل الاجتهاد لوقوع الخلاف۔ (شرح مواقف جلد ۸ صفحہ ۲۶۴)

"یعنی زمین کی ایک ایسی جانب سے میں جس کونے کونے اور حدود تنگ ہیں (یعنی چھوٹا سا ملک ہو) میں دو خلیفوں کا تقرر جائز نہیں کہ فتنے پیدا ہوں گے اور نظم و نسق میں خلل واقع ہوگا لیکن وسیع و عریض خطے میں جہاں کہ ایک خلیفہ انتظام سنبھالنے کی طاقت نہ رکھتا ہو محل غور ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسئلہ میں خلاف واقع ہوا ہے۔"

یعنی اگر بہت بڑا ملک نہ ہو تو تمام علماء و فقہاء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہاں ایک ہی خلیفہ ہوگا دو نہیں ہو سکتے کیونکہ دو خلیفوں کے تقرر سے فتنہ کھڑا ہوگا اور مملکت کے نظام میں خرابی پیدا ہوگی لیکن اگر مملکت اس قدر وسیع و عریض اور بہت ہی لمبی اور چوڑی ہو کہ دونوں میں مشرق و مغرب کا سا بُعد و دوری ہو کہ ایک خلیفہ اس قدر وسیع و عریض مملکت کے نظام کو چلانے

کی طاقت نہ رکھتا ہو تو یہ محلِ اجتہاد بات ہے کیونکہ اس میں خلافِ واقع ہے۔

خلاف اور اختلاف میں فرق:

شرح مواقف کی عبارت "لوقوع الخلاف" پر غور فرمائیں کہ شارح نے "لوقوع الخلاف" فرمایا ہے "لوقوع الاختلاف" نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ متعدد خلفاء کے جواز کی رائے ایک یا دو بزرگوں کی رائے ہے جبکہ امت کے باقی تمام علماء و فقہاء کسی صورت میں بھی بہ یک وقت متعدد خلفاء کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ یعنی لفظ "خلاف" اور لفظ "اختلاف" میں یہ فرق ہے کہ اگر اکثریت کے مقابلہ میں ایک یا دو حضرات کی رائے ہو تو اسے "خلاف" کہا جائے گا اور اگر اکثریت کی رائے کے مقابلہ میں ایک یا دو سے زیادہ کی رائے ہو تو اسے "اختلاف" کہا جائے گا۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ ایک یا دو کے خلاف کے مقابلہ میں اکثریت کی رائے کو اجماع کہا جائے گا۔ اور ایک دو کی بات کو کوئی اہمیت حاصل نہ ہوگی لہٰذا یہاں بھی ایک دو حضرات کی رائے اور خلاف کو کالعدم تصور کرتے ہوئے مسئلہ کو اجماعی قرار دیا جائے گا اور ایک دو کی رائے کو اجماع کے مقابلہ میں شذوذ (ناقابلِ توجہ انفرادیت) کہا جائے گا۔

چنانچہ شیخ زادہ علیٰ تفسیر البیضاوی میں ہے کہ:

فان مخالفة واحد او اثنین للجمهور یسمی خلافا لا اختلافا فلا یخرج الحکم به عن کونه متفقا علیه۔

"بلا شبہ ایک یا دو کی جمہور کے ساتھ مخالفت "خلاف" کہلاتا ہے، نہ کہ اختلاف، لہٰذا ایک دو کے اختلاف سے کوئی حکم متفق علیہ

ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔"

(شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی جلد صــ۲)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اگرچہ سلطنتِ اسلامیہ اس قدر وسیع و عریض ہو کہ اس میں مغرب و مشرق کا بُعد و دوری ہو یا ان کے درمیان سمندر حائل ہو خلیفہ ایک ہی ہوگا اور یہی بات اجماعی اور متفق علیہ نظریہ ہے اس میں دو خلیفوں کے جواز کا قول اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شذوذ و ناقابلِ قبول بات ہے بلکہ حدیث شریف میں شذوذ (اجماع کے مقابلہ میں الگ مذہب اختیار) کرنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ جو شخص علماء و فقہاء کی "اکثریت" سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

جیسا کہ امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

واذا انعقدت الامامۃ لامامین فی بلدین لم تنعقد امامتھما لانہ لایجوز ان یکون للامۃ امامان فی وقت واحد وان شذ قوم فجوزہ۔

(الاحکام السلطانیہ صــ۹)

"اور جب دو ملکوں میں دو اماموں کی امامت و حکمرانی منعقد ہو تو ان دونوں میں سے کسی کی بھی امامت منعقد نہ ہوئی کیونکہ یہ جائز نہیں کہ ایک وقت میں اُمّت کے دو حکمران ہوں اگرچہ ایک گروہ نے اس کو جائز کہہ کر اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک وقت میں اُمّتِ مسلمہ کے دو حکمران نہیں ہو

سکتے توجہ فرمائیے کہ اسلام تو دو حکمرانوں کی حکمرانی کو بھی جائز نہیں ٹھہراتا تو اُمّتِ مسلمہ کے اس قدر حکمران کہاں جائز ہو سکتے ہیں جس قدر آج بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ ایک سے زیادہ حکمرانوں کا جواز شاذ و اجماع کے خلاف ہے۔

جو بات اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے:

اور یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو بات اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے، ناقابلِ قبول ہے۔

چنانچہ امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"کہ عورت جج نہیں ہو سکتی، نہ ان معاملات میں جن میں عورت کی شہادت (گواہی) قبول ہے اور نہ ان معاملات میں جن میں عورت کی گواہی صحیح و قبول نہیں ہے۔"

مگر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"عورت ان معاملات کی جج ہو سکتی ہے جن میں عورت کی شہادت لی جا سکتی ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:

وشذ ابن جریر فجوز قضاءھا فی جمیع الاحکام ولا اعتبار بقول یردہ الاجماع۔

(الاحکام السلطانیہ صــ۶۵)

"اور امام ابن جریر طبری نے اجماع کے خلاف شذوذ کیا ہے کہ تمام احکام میں اس کے جج ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور کسی ایسے قول کا اعتبار نہیں جسے اجماع نے رد کر دیا۔

امام ماوردی نے یہاں اجماع کے مقابلہ میں لفظ "شذ" استعمال کر کے

بتا دیا ہے کہ جہاں یہ لفظ آئے گا اس سے مراد اجماع کی خلاف ورزی ہوگی اور اجماع کے خلاف قول مردود ہے۔ لہٰذا اُمتِ مسلمہ کے ایک وقت میں دو حکمران ہونا بھی قول شاذ و اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ترجمہ: میں نے اس کتاب میں ان خلفاء کے احوال بیان کئے ہیں جو خلیفہ امیر المؤمنین کا امامت قائم کرنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہمارے زمانہ تک ہوئے (پھر فرمایا) میں نے اس میں کسی عبیدی کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ قریشی نہ تھے۔ دوسرے وہ بدمذہب بے دین کم از کم رافضی تھے ایسوں کی نہ بیعت ہو سکے اور نہ خلافت صحیح۔ تیسرے یہ کہ ان کی بیعت اس وقت ہوئی جب خلافت عباسی قائم تھی۔ فلا تصح اذلا تصح البیعۃ لامامین فی وقت واحد والصحیح المتقدم منھا۔" پس ان کی بیعت صحیح نہ ہوئی کیونکہ ایک وقت دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ دو میں سے اس کی خلافت صحیح ہوگی جس کی پہلے بیعت ہوئی۔" (تاریخ الخلفاء ص۶)

ملک اور دین دو جڑواں ہیں:

ملک اور دین دو جڑواں ہیں یعنی جیسے دو جڑواں بچے ایک پیٹ میں ہوتے ہیں اور ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی ملک اور دین جڑواں چیزیں ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ:

الدین والملک توأمان ففی ارتفاع احدھما ارتفاع الاخر لان الدین اساس والملک حارس ومالا اس له فمهدوم وما لا حارس له فضائع۔

(تفسیر روح البیان جلد ص۲۴۳)

"دین اور ملک دو جڑواں ہیں پس ایک کی ترقی میں دوسرے کی ترقی ہے کیونکہ دین بنیاد ہے اور ملک اس کا محافظ ہے اور جس کی بنیاد نہ ہو وہ گر جائے گا اور جس کا کوئی محافظ نہ ہو، وہ ضائع ہو جائے گا۔"

جب دین اور ملک دو جڑواں ہوئے تو جیسے دین ایک ہے تو ملک بھی ایک ہوگا لہٰذا خلیفہ بھی ایک ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام عالم اسلام کا دین تو ایک ہو مگر ملک الگ الگ ہوں۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مطلب یہ ہے کہ جب امت کا نفع و نقصان ایک، نبی ایک، دین ایک ایمان ایک، کعبہ ایک، اللہ ایک اور قرآن ایک ہے تو ان کے حکمران اور مُلک الگ الگ کس لئے ہیں؟ یہ بات ناقابلِ فہم ہے اور عقل و دانش کے قطعاً خلاف ہے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان کا ملک بھی ایک ہو اور حکمران یعنی خلیفہ بھی ایک ہو۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے کہ:

فان کانت سلطنته قاصرۃ علی ناحیۃ خاصۃ فلیس بخلیفۃ وان کانت عامۃ فھو الخلیفۃ۔

(الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۲ ص۲۱۹)

"اگر اس کی حکومت کسی خاص علاقہ پر ہے تو وہ خلیفہ نہیں اور اگر

اس کی حکومت تمام عالم اسلام کے لئے ہے تو وہ خلیفہ ہے۔"

الموسوعۃ کی اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ دو خلیفے نہیں ہو سکتے خلیفہ ایک ہی ہو گا اور اس کی حکومت تمام عالم اسلام کے لئے ہو گی۔

امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم علیہ الرحمۃ متوفی سنہ ۴۵۶ھ اپنی مشہور کتاب "اَلْمُحَلّیٰ" میں فرماتے ہیں کہ:

لا یحل ان یکون فی الدنیا الا امام واحد۔
(اَلْمُحَلّیٰ ج ۹ ص ۳۶۰)

"یہ بات جائز نہیں کہ دنیا میں ایک امام کے سوا کوئی دوسرا امام ہو۔"

یعنی دنیائے اسلام کا ایک ہی امام ہو گا۔ ایک سے زیادہ امام ہونا جائز نہیں ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریق کار:

خلیفہ یا امام کے تقرر کے تین طریقے ہیں اگرچہ صاحب نبراس نے ایک چوتھا طریقہ نص کا بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اہلسنت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت وخلافت کو منصوص (صاحب شریعت کی طرف سے صادر شدہ فرمان کے تحت) تصور کرتے ہیں لیکن جمہور کے خیال میں صاحب شریعت کی طرف سے ان دونوں بزرگوں میں سے کسی بھی بزرگ کی خلافت کے بارے میں کوئی نص یا فرمان صادر نہیں ہوا۔ عام طور پر امام یا خلیفہ کے تقرر کے تین طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

نمبر۱: ایک طریقہ "بیعت" ہے یعنی اہل حل وعقد کی بیعت اور اہل حل وعقد علماء دین متین اور سرداران وبزرگان مسلمین ہیں جو دانش وبصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کے علوم پر عبور رکھتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اس سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کے تقرر کے لئے ایسے لوگوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری کی رائے میں اگر کسی ایک علم و دانش رکھنے والے لوگوں کی موجودگی میں ایک ایسے عالم دین کا بیعت کر لینا بھی کافی ہو گا جن کے علم و دیانت اور تقویٰ وامانت کا ملک بھر میں شہرہ ہو اور بعض فقہاء احناف کے نزدیک اہل حل وعقد کی ایک جماعت کی بیعت ضروری ہے اس سلسلے میں کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔

(فتاویٰ شامی جلد ۱ ص ۵۴۹)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ملک بھر کے اہل حل وعقد میں سے جمہور یعنی اکثریت کی موجودگی اور بیعت ضروری ہے تاکہ اس کی خلافت پر رضاء عام اور اجماع قائم ہو (الاحکام السلطانیہ، لابی یعلی ص ۷)

اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ملک بھر کے اہل حل وعقد کی اکثریت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں حرج عظیم اور مشکل پیش آئے گی۔ ان میں سے ایک گروہ کی رائے ہے کہ اس سلسلہ میں پانچ اہل حل وعقد بھی کافی ہیں۔ کسی اہل امامت وخلافت کی بیعت پر وہ جمع ہو جائیں یا وہ اپنے میں سے ایک کی بیعت کر لیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پانچ اہل حل وعقد نے کی۔ پھر سب لوگوں نے ان کی اتباع کی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چھ اہل حل وعقد کے مشورہ پر چھوڑ دیا تاکہ ان میں سے پانچ مل کر ایک کو خلیفہ بنا دیں اور ایک گروہ نے چالیس اہل حل وعقد کی بیعت کو ضروری قرار دیا ہے اور شافعیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ اس

سلسلے میں کسی خاص تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اہل حل وعقد میں سے کوئی ایک ایسی شخصیت جس کا علم وفضل اور تقویٰ وبصیرت سب کے نزدیک مسلم ہو، کسی اہلِ امامت وخلافت کی بیعت کرے تو اس سے خلیفہ کا تقرر ہو جائے گا اور باقی لوگوں کے لئے لازم ہو گا کہ وہ اس سے موافقت اور اس کی اتباع کریں۔

(واسنی المطالب جلد ۴ صفحہ ۱۰۹ (روضۃ الطالبین جلد ۱۰ صفحہ ۴۳)

(مغنی المحتاج جلد ۴ صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۱۳۱) (الموسوعہ جلد ۶ صفحہ ۲۲۱)

نمبر ۲: دوسرا طریقہ نامزدگی کا ہے یعنی جب کوئی خلیفہ اپنے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر کے اسے نامزد کرے جبکہ اس میں خلافت کی اہلیت پائی جاتی ہو تو اس کے بعد وہی خلیفہ ہو گا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد فرمایا تھا اور اس اعلان ونامزدگی کے مطابق ان کے بعد وہی خلیفہ ہوئے۔

نمبر ۳: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی خلافت کے صفات کا حامل شخص طاقت و قوت سے منصبِ خلافت پہ فائز ہو جائے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے۔ یعنی لوگوں کو نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے تو وہ بھی بہ اتفاق اشاعرہ زیدیہ وجبائی خلیفہ قرار پائے گا کیونکہ نصب امام سے جو منافع مطلوب ہیں وہ حاصل ہوں گے۔

(النبراس، صفحہ ۵۳۸)

امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسا شخص خلافت پر اسی طریقہ سے فائز ہو جائے تو جمہور فقہاء ومتکلمین کے نزدیک محض اس طریقہ تغلب یعنی (زبردستی غلبہ پا لینے) سے وہ خلیفہ قرار نہیں پائے گا بلکہ اہل حل وعقد

کو لازم ہو گا کہ وہ اسے اپنی طرف سے خلیفہ قرار دیں (تاکہ اس کے آئندہ کے اقدامات شرعی طور پر درست ٹھہریں اور نظامِ مملکت ایک جائز صورت میں انجام پائے کیونکہ اس کے ہٹانے میں فتنہ برپا ہو گا اور فتنہ قتل سے بھی بڑی چیز ہے)

الموسوعۃ الفقھیہ میں حضرت عبدوس بن مالک العطار سے روایت منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص طاقت کے ذریعے مملکت کے باشندوں پر غالب آ گیا حتیٰ کہ خلیفہ کے منصب پر فائز ہو گیا اور امیر المؤمنین کہلانے لگا تو کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے حلال نہیں کہ وہ اس حال میں رات گذارے کہ اسے امام تسلیم نہ کرتا ہو خواہ وہ نیک ہو یا فاسق وفاجر۔ اور امام ابو الحارث کی روایت میں ہے کہ اگر دو شخص طاقت کے ذریعے اقتدار پہ قابض ہو گئے کچھ لوگ ایک کے ساتھ ہوں اور کچھ دوسرے کے ساتھ تو جس کے حکم پر جمعہ کی نماز قائم کی جائے گی (یعنی جس کے ساتھ علماء ہوں گے) اسی کو خلیفہ تسلیم کیا جائے گا اور اس کی دلیل یہ بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ حرّہ میں اہل مدینہ کو نماز پڑھائی اور فرمایا:

«نَحْنُ مَعَ مَنْ غَلَبَ» کہ ہم اسی کے ساتھ ہیں جو غالب آ گیا۔

(الموسوعۃ الفقھیہ جلد ۶ صفحہ ۲۲۴)

صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"تم اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔"

اسلام میں "ولی العہد" کا تصور

اسلام میں "ولی العہد" بنانا بلاشبہ جائز ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ!

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔	تُو اپنے پاس سے مجھے ایسا (بیٹا) دے ڈال جو میرا کام اٹھائے وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو۔
(سورۂ مریم ۶)	

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ولی العہد بنانا جائز ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ مجھے بیٹا عطا فرما جو میرے بعد میرا کام اٹھائے اور ذمہ داریوں کو نبھائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں آئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سعید بن زید اپنے چچا زاد بھائی اور بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو اس شرط پر خلیفہ کے تقرر کے بارے میں مشیر مقرر کیا کہ وہ خلافت کے امیدوار نہیں ہوں گے اس لئے نہیں کہ شرعاً حضرت عمر کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کا ولی العہد و خلیفہ ہونا جائز نہ تھا بلکہ یہ ان کا کمال تقویٰ تھا کہ انہوں نے ان کو باہر رکھا۔ کمالِ تقویٰ اور چیز ہے اور جواز دوسری چیز ہے اس لئے امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں:

وَمِنْ تَمَامِ وَرَعِهٖ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صہ ۱۴۵)

کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کمالِ تقویٰ تھا کہ ان پر اقربا نوازی کا بہتان نہ لگایا جا سکے جبکہ شرعاً جائز حد تک اقربا نوازی کی اجازت ہے مگر یہ چونکہ قومی و ملی معاملہ تھا اس لئے آپ نے کمالِ تقویٰ کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے آپ کو اس قسم کے بہتان سے بچالیا اور حضرت معاویہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کاتبِ وحی اور مجتہد صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"میرے صحابہ تمام کے تمام عدول ہیں یعنی عدل والے ہیں۔" ظلم اور زیادتی کے روادار نہیں ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم الشان صحابی نے انہیں اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا اور صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کو حرام کا مشورہ نہیں دے سکتا کہ یہ ان کی شانِ عدولیت کے منافی ہے جس کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی۔

حضرت معاویہ کا یزید کو ولی عہد بنانا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خلافت کا اہل سمجھ کر ہی اسے ولی عہد بنایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

ورای انه لذلك اهلا (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صہ ۸۰)	کہ انہوں نے یزید کو اس کا اہل سمجھا تھا۔

پھر فرماتے ہیں:

وکان ظن ان لا یقوم احد من ابناء الصحابة فی هذا المعنی (۸ صہ ۸۰)	کہ ان کا ظن تھا کہ دیگر صحابہ کے بیٹوں میں سے اس ذمہ داری کو کوئی اور نہیں اٹھا سکتا۔

حضرت معاویہ کی دُعا:

پھر آپ نے ایک دن خطبہ میں دعا کی:

اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھلاً لذلک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۸۰)

"اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے خلافت کا اہل سمجھ کر اسے ولی عہد بنایا ہے تو جس ذمہ داری پر میں نے اسے فائز کیا ہے اسے اس کے لئے پوری کردے اور اگر میں نے اسے صرف بیٹے ہونے کی محبت میں ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو اس کے لئے پورا نہ فرما۔"

اس سے ایک تو معلوم ہوا کہ ولی عہد بنانا اسلام میں جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاویہ پر اس سلسلے میں طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں کہ انہوں نے اپنے خیال میں درست کیا اور ایک اہل کو ولی عہد بنایا۔ بعد میں یزید کا خراب ہو جانا حضرت معاویہ پر طعن کا موجب نہیں کہ وہ اس وقت ایسا نہ تھا جیسا بعد میں ہو گیا۔

جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ان کے زمانہ میں ایسی نہ تھی کہ اُن کو "ابن اللہ" (خدا کا بیٹا) کہتی ہو لیکن ان کے بعد ایسی ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

الموسوعۃ الفقھیۃ میں ہے کہ خلیفۂ وقت اہل حل و عقد کے مشورہ سے اپنے بیٹے کو خلافت کے لئے نامزد کر سکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو جلد ۶ ص ۲۲۲ تا ص ۲۲۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے ولی عہد بنایا اور اس کے حق میں

بیعت لینا شروع کی تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر و حضرت حسین بن علی و عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے سوا سب نے یزید کے حق میں بیعت کر لی۔ چنانچہ امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

فبایع لہ الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمن بن ابی بکر وعبداللہ بن عمر والحسین بن علی وعبداللہ بن زبیر وابن عباس۔

تمام صوبوں کے باشندوں نے اس کے حق میں بیعت کر لی سوا عبدالرحمٰن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر و حسین بن علی و عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۷۹)

امام ابن کثیر علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ کہ تمام صوبوں کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی تھی ان پانچ حضرات نے بیعت نہ کی مگر ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بعد میں بیعت کر لی۔ ظاہر ہے بیعت کرنے والوں میں بہت سے صحابہ بھی تھے اور صحابہ اہل حل وعقد ہیں۔ اگر اسلام میں ولیعہدی حرام ہوتی تو ان پانچ حضرات کے سوا سب صحابہ کبار وصغار اس کی بیعت کر کے حرام کے مرتکب ہوئے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق عادل نہیں ہوتا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے صحابہ عادل ہیں اگر ایک دو ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ایک دو سے غلطی ہوئی مگر سب کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے غلطی ہوئی صحیح نہیں۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا پھر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور دوسرے چار صحابہ نے غلطی کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چار حضرات کے خیال میں یزید خلافت کا اہل نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کی بیعت نہ کی یہ اُن کی کمال دیانت اور کمال تقویٰ ہے کہ

انہوں نے جسے حق سمجھا اس پر سختی سے قائم ہو گئے۔ اس پر وہ یقیناً اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔ لہٰذا ان کے انکار کو بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ان کا حق تھا کہ جسے وہ غلط سمجھتے اُسے قبول نہ کریں۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے آخر میں جب محسوس کیا کہ اب خونریزی تک نوبت پہنچنے والی ہے تو امت کو خونریزی سے بچانے کے لئے بہ دل نخواستہ بیعت پر آمادہ ہوئے اور یزیدی لشکر کے کمانڈر عمر بن سعد سے فرمایا کہ تین باتوں میں سے ایک کو چُن لو یا تو مجھے واپس جانے دو یا کسی سرحد پر بھیج دو یا مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں مگر ظالموں نے آپ کے مصالحانہ کردار کا جواب مصالحت سے دینے کی بجائے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (رضی اللہ عنہ وعن رفقائہ الکرام) آپ نے جب بھی انکار کیا تو اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ وہ میرے نزدیک اس کا اہل نہیں ہے۔ وہ فاسق و فاجر ہے یہ نہ فرمایا کہ اسلام میں ولی عہدی ناجائز ہے اس لئے میں اس کی بیعت نہیں کرتا۔ اور اہل مدینہ منورہ نے بعد میں اس کی بیعت اس لئے فسخ کر دی کہ اس کے فاسق و فاجر و شرابی اور تارک نماز ہونے کا انہیں یقین ہو گیا۔

شوریٰ کی اہمیت اور اس کے انتخاب کا طریق کار:

رہا یہ سوال کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی نظام ہے تو خلیفہ کی شوریٰ کے انتخابات کا طریق کار کیا ہو گا؟

لفظ شوریٰ اور لفظ مشورہ عربی زبان میں "شرت العسل شورا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی شہد کی مکھیوں کے چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۴۳۴)

گویا مجلس شوریٰ شہد کی مکھیوں کے چھتہ کے بمنزلے ہے جس سے مقصود

ان سے ایسی عمدہ اور شفاء بخش رائے نکالنا، اور معلوم کرنا ہے جو شہد کی طرح خالص و عمدہ و شفاء بخش ہو۔ جیسے شہد کئی بیماریوں کی دوا ہے ایسے ہی مشورہ بھی کئی ایک مشکلات سے نجات کا ذریعہ ہے۔

مشورہ ایک قدیم سنت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ ملکۂ سبا بلقیس نے بھی اپنے مشیر مقرر کر رکھے تھے اور نظامِ سلطنت اور کارِ مملکت ان کے مشورہ سے چلاتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا جواب دینا چاہا تو مشیروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، قرآن کریم میں ہے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ○	وہ بولی اے سردار! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔ میں کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس حاضر نہ ہو۔
(النمل ۳۲)	

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

كان لها ثلثمائة و ثلاثة عشر رجلا هم اهل مشورتها كل رجل منهم على عشرة الاف	بلقیس کے تین سو تیرہ مرد مشیر تھے جو اسے مشورہ دیتے تھے ان میں سے ہر مرد دس ہزار کے اوپر تھا۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۱۹۴)

یہاں سے کئی ایک مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مشورہ لینا قدیمی روایت ہے۔ دوسرا یہ کہ نظام سلطنت کے چلانے کے لئے مشیروں کا ہونا ضروری ہے۔

تیسرا یہ کہ مشیر مرد ہونے چاہئیں، عورتیں نہیں۔ بلقیس نے عورت ہونے کے اور کافرہ ہونے کے باوجود صرف مردوں کو ہی مشیر مقرر کیا تھا لیکن کس قدر افسوسناک بات ہے کہ آج مسلمان مرد حکمران عورتوں کو مشیر مقرر کرتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ بلقیس نے ہر دس ہزار کی آبادی میں سے ایک ایک مشیر لیا ہوا تھا۔ پانچواں یہ کہ ملکہ سبا کی سلطنت کی آبادی اس وقت اکتیس لاکھ تھی۔

اور شوریٰ کے ممبران کا عوام کے ذریعے منتخب ہونا احمقانہ فعل ہے، عوام میں سے اکثریت "کالانعام"، جانوروں کی مانند ہیں، جنہیں نہ علم ہے نہ شعور، ان پر اعتماد کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس لئے یہ مغربی جمہوریت مسلمانوں کے معاشرہ کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جارہی ہے۔ یہ عوامی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی لہذا موجودہ طریقہ انتخاب قطعاً غلط اور اسلام کے خلاف ہے، بلکہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ یا امیر مملکت، ملک کے اہل علم خصوصاً علماء کرام و فقہاء عظام جو اہل حل وعقد ہیں، پر مشتمل اپنی شوریٰ بنائے اور ان مسائل میں جو قرآن وسنت اور اجماع سے معلوم نہ ہوں بوقتِ ضرورت ان سے مشورہ لے کیونکہ جو احکام قرآن وسنت یا اجماع امت سے ثابت ہوں، ان پر بہر صورت عمل کرنا ضروری ہے اور مشورہ مجلس شوریٰ کے ارکان کا اجتماعی اجلاس بلاکر بھی کیا جاسکتا ہے اور فرداً فرداً ہر ایک سے الگ الگ بھی۔ پھر اگر سب کا اتفاق ہو تو اس پر عمل کرے اور اختلاف کی صورت میں محض اکثریت کو معیارِ حق نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ساتھ ساتھ قوتِ دلیل کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اگر اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کی دلیل زیادہ قوی ہو تو اسی پر عمل کیا جائے۔ اور اگر برابر برابر تعداد میں ہوں تو امیرِ مملکت ان آراء میں سے کسی ایک کو اپنی صوابدید پر ترجیح دے سکتا ہے اور قرعہ اندازی سے بھی کسی ایک رائے کو قابلِ عمل تصور کیا جاسکتا ہے۔

خلیفہ اور ارکانِ شوریٰ کا معیارِ اہلیت

خلیفہ کی اہلیت ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اور ارکانِ شوریٰ کے بارے میں بھی گذر چکا کہ وہ اہل حل وعقد ہیں جنہیں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی پر عبور ہو اور وہ صاحبِ بصیرت بھی ہوں اور اُن کا مرد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ عورتوں کا کام نہیں۔

امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لان فیھما من طلب الرأی و ثبات العزم ما تضعف عنه النساء۔ (الاحکام السلطانیہ ص۲۷)

کہ عورتیں وزیر بھی نہیں بن سکتیں کیونکہ وزارت میں رائے اور ثباتِ عزم مطلوب ہوتے ہیں جن کی عورتیں متحمل نہیں ہوسکتیں۔

یعنی نہ وہ رائے دینے کے قابل ہیں کہ شریعت نے ان کو ناقص العقل ٹھہرایا ہے اور نہ ہی اُن میں ثابت العزمی پائی جاتی ہے، لہذا عورت حکمران ہوسکتی ہے نہ وزیر اور نہ ہی مشیر۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

دعوتِ عام

ہماری طرف سے ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان بھائی اور بہن کی خدمت میں دعوتِ رفاقت حاضر ہے۔

آئیے! اس خلافتِ اسلامیہ کے نظام کو پھر سے بحال کرائیں جو درج ذیل پانچ نکات پر مشتمل ہوگا۔

(۱) تمام نام نہاد آزاد اسلامی ریاستیں پھر سے ایک عظیم اسلامی متحدہ ریاست میں تبدیل ہو جائیں اور ایک ہی حکمران (خلیفہ) ہو۔ خلافت کا مرکز مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ یا بغداد ہو اور تمام اسلامی ممالک اس کے صوبہ ہوں اور تمام حکمران صوبائی سربراہ ہوں یا کم از کم متحدہ صوبائیت کی طرح کا اتحاد کریں۔

(۲) سب کا پاسپورٹ ایک ہی ہو جس پر شہریت (قومیت وجنسیت) "مسلم" درج ہو اور یوں ویزوں کی لعنت کا خاتمہ ہو۔

(۳) دفاع ایک ہی ہو یعنی تمام اسلامی ملکوں کے ایک ملک ہو جانے کے بعد تمام افواج مل کر ایک عظیم الشان فوج بن جائیں جو "مسلم آرمی" یا "عساکرِ اسلامیہ" کہلائے۔

(۴) کرنسی بھی ایک ہو خواہ دینار یا درہم یا ریال وغیرہ تاکہ مسلمانوں میں معاشی اور اقتصادی مساوات بھی قائم ہو۔ اس میں امتِ مسلمہ کی نجات اور فلاح ہے اس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔ اسلام کا غلبہ ہوگا اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت اسلامی ریاست اور دنیا کی سب سے بڑی فوج "مسلم آرمی" ہوگی۔

(۵) قانون بھی ایک ہو یعنی قرآن و سنت

آئیے! اس عظیم الشان جہاد میں شریک ہو جائیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام اور آپ کی سنت ہے جسے مسلمانوں نے چھوڑ دیا اور کئی ٹکڑوں میں بٹ کر ذلیل ہو گئے۔ آئیں اس سنت کو زندہ کریں اور حدیث شریف کے مطابق سو شہید کا ثواب پائیں۔ آئیں اس تحریک میں شریک و رفیق ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا ہے جو میری مٹی ہوئی سنت کو زندہ کریگا سو شہید کا ثواب پائیگا۔

تحریکِ بحالیٔ خلافتِ اسلامیہ کی تائید کرنے والے

علمائے کرام کے اسمائے گرامی مع پتہ جات

نمبر	نام	پتہ
۱۔	مولانا شاہ حسین گردیزی	دار العلوم مہریہ گلشن اقبال کراچی
۲۔	مولانا منیب الرحمٰن	دار العلوم نعیمیہ کراچی
۳۔	مولانا حمید اللہ جان	ناظمِ اعلیٰ جمعیۃ علماء اسلام صوبہ سرحد، دار العلوم الاسلامیہ لکی مروت، بنوں، فون: ۴۲۶۴
۴۔	مولانا محمد اسعد تھانوی	رابطہ سیکرٹری متحدہ علماء کونسل پاکستان، الاحمد مینشن بلاک ۱۳ اے گلشن اقبال کراچی، فون دفتر: ۴۷۸۲۳۴، گھر ۴۷۰۶۷۲، فیکس ۴۷۱۱۸۰
۵۔	مولانا قاری احمد میاں تھانوی	صدر قاری دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون: ۴۳۰۹۸۱

۶- مولانا غلام دستگیر افغانی
مہتمم جامعہ ضیاء العلوم (ٹرسٹ) آگرہ تاج کالونی، کراچی۔ فون: ۴۳۴۳۳۴۷

۷- مولانا محمد اقبال حسین نعیمی
ناظم دار العلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا نمبر ۱۵ کراچی
فون: ۶۸۴۲۳۶

۸- مولانا عبید اللہ شاہ
خطیب جامع مسجد باب الاسلام ۷۔ ایف مرکز اسلام آباد

۹- مولانا محمد رفیع عثمانی
صدر دار العلوم کراچی ایریا کورنگی۔ کراچی نمبر ۱۴
فون دفتر: ۳۱۱۷۳۳

۱۰- مولانا حافظ فضل الرحیم
نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ فون: ۳۱۲۰۲۷

۱۱- مولانا سید عظمت علی شاہ ہمدانی
مہتمم دار العلوم انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی
فون: ۵۳۹۷۹۲/۵۳۶۸۷۸

۱۲- مولانا عبد المجید
مسجد معصوم شاہ العزیز سٹریٹ گارڈن ویسٹ کراچی
فون: ۷۳۳۴۵۷

۱۳- مولانا محمد عاشق
جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی

۱۴- مولانا حافظ انوار الحق حقانی
نائب مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
و ناظم مرکزی جمعیۃ۔ فون: ۷۳۴۱

۱۵- صاحبزادہ عبد الرؤف قاسمی نقشبندی
امیر جمعیۃ علماء اسلام صوبہ پنجاب و خادم خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ دار العلوم حنفیہ چکوال۔ فون ۲۶۰۲۱

۱۶- مولانا وکیل احمد شروانی
ناظم نشریات مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان
بیت الاشرف ۷۸/اے ماڈل ٹاؤن لاہور۔
فون: ۵۸۵۹۴۵

۱۷- مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی
دار العلوم کراچی کورنگی کے ایریا۔ فون: دفتر ۳۰۷۳۳
گھر ۳۰۳۰۲۰

۱۸- مولانا محمد ظفر اللہ
نائب امیر جماعت مجاہدین پاکستان و مدیر جامعہ ابی بکر۔ فون گھر: ۴۰۵۰۸۱ / دفتر ۴۷۴۱۸۰

۱۹- مولانا محمد حفیظ کشمیری
کارکن جمعیت طلباء اسلام، اسلام آباد مدرسہ تعلیم القرآن ۷۔ ایف مرکز اسلام آباد

۲۰- مولانا سید محمد یونس شاہ
مرکزی نائب صدر جے ٹی آئی مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

۲۱- مولانا ظہیر الدین بابر
جنرل سیکرٹری جے ٹی آئی پاکستان فون: ۲۲۳۳۵۴
۲۳۳۵۴

۲۲- مولانا انور علی
صدر جمعیۃ العلماء پاکستان شاہ عالم مارکیٹ لاہور

۲۳- حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور
فون: ۲۵۷۳۱۴

۲۴ حضرت علامہ غلام محمد صاحب سیالوی
شمس العلوم جامعہ رضویہ ایس ڈی ۴ این بلاک نارتھ ناظم آباد کراچی۔ فون: ۶۱۴۷۰۷

۲۵ علامہ مفتی منیب الرحمٰن صاحب
دار العلوم نعیمیہ (ٹرسٹ) نزد ایوب منزل عقب حبیب بنک بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی
فون: ۶۳۲۲۲۳۶
۶۳۱۴۵۰۸

الداعی الی الخیر
مفتی غلام سرور قادری (امیر تحریک)
مرکزی دفتر: جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور، پاکستان
فون نمبر: ۸۳۶۲۶۱
۸۳۶۲۶۵
۸۳۶۳۶۴

دُوسرا حِصّہ

مغربی جمہوریت اور اسکے تحت ہونیوالے الیکشنز

کتاب کے اس حصّہ میں قرآن وسُنت اور ائمہ اسلام کی تعلیمات کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں مغربی جمہوریت کس قدر نقصان دہ اور اس کے تحت ہونے والے الیکشنز کس قدر ملک وملت کے لئے تباہ کن ہیں۔

سوال :۔ اس وقت بالغ رائے دہی کی جو صورت دنیا میں رائج ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اس وقت بالغ رائے دہی کی جو صورت دنیا میں رائج ہے وہ اسلامی نقطۂ نظر سے درج ذیل وجوہات کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے۔

۱:۔ یہ کہ اس میں رائے (ووٹ) حاصل کرنے کی ہوس میں مختلف پارٹیوں کی دوڑ دھوپ شروع ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وسعت و مقدور سے بڑھ کر زور آزمائی کی جاتی ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے مقدور سے زیادہ تکلیف دینا پسند نہیں کرتا اور گوارا نہیں فرماتا (بقرہ ۲۸۶) اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں ملاحظ ہو سورۃ بقرہ ۲۳۳ سورۃ نساء ۸۴ سورۃ اعراف ۴۲ سورۃ انعام ۱۸۲ سورۃ مومنون ۶۲ سورۃ طلاق ۷۔ جن کا یہی مفہوم و معنی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف دینا گوارا نہیں فرماتا اور نہ ہی اسلام اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ انسان اپنے اوپر وہ بوجھ ڈال لے جسے اٹھانا اس کے لئے مشکل ہو جائے چنانچہ حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ مقدور سے زیادہ عبادت کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ حالانکہ عبادت ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے مگر اسے بھی اس حد تک انجام دینے کو شریعت نے پسند فرمایا ہے۔ جس حد تک دقت نہ ہو۔ وہ حدیث یہ ہے لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدُ عَلَیْکُمْ

کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کی طرف سے اس کی پاداش
میں، تم پر سختی کی جائے اس حدیث کو امام عبدالرؤف المناوی علیہ الرحمہ متوفی
۱۰۳۱ھ نے اپنی کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ہامش جامع صغیر
جلد دوم صفحہ ۱۵۷ پر بحوالہ سنن ابی داؤد نقل فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور
کیا سختی ہوگی کہ انتخابات کے موقع پر اس مہم میں شریک ہونے والے اپنے
کاروبار چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی سالہا سال کی کمائی پھونک دیتے ہیں بلکہ کئی ایک
ایسے حضرات بھی پچھلے انتخابات میں لٹتے اور دیکھے گئے ہیں جو اپنی جائیداد تک
فروخت کر کے اس مہم کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور اسی جذبہ سے ایسا کرتے
ہیں کہ ممبر بننے کے بعد دھاؤنس۔ دھاندلی اور رشوت وغیرہ ایسے حربوں سے
سب کچھ پھر سے بنالیں گے۔ بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ جائیداد بنائی جاتی
ہے اور جو انتخاب میں ہار جاتے ہیں مالی اعتبار سے انہیں ناقابل تلافی نقصان
اٹھانا پڑتا ہے اور وہ اس نقصان کی تلافی کے لئے مختلف حربے استعمال
کرتے ہیں جو کہ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (الآیہ)
کے خلاف ہیں اور یہ کیا کم سختی ہے کہ جلسے جلوس اس قدر کثرت سے ہوتے
ہیں کہ پورا ملک افراتفری کی لپیٹ میں نظر آتا ہے، مہم میں حصہ لینے والے نہ
تو خود آرام کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو چین لینے دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ
میں ملک بھر کے باشندوں کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے جو کہ اِنَّمَا
بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ (الحدیث) کے خلاف ہیں۔

۲۔ یہ کہ پارٹیوں کی باہمی مقابلہ بازی۔ باہمی بغض و عناد اور ابدی

عداوت و دشمنیوں پر منتج ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف حریفانہ جذبات
جنم لیتے ہیں اور یہ بات اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ
اَخَوَيْكُمْ (الحجرات ۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ کے خلاف ہے کہ اس میں
مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور ان میں صلح و آشتی اور
بھائی چارے کے جذبات پیدا کرنے کا حکم فرمایا۔ موجودہ مروجہ انتخابات
کرا کر اس اخوت و باہمی صلح و آشتی کو برباد کرانا ہی ہے۔

۳۔ یہ کہ انتخابات کے موقع پر باہمی دشمنی اس حد تک بڑھ جاتی ہے
اور ہار جیت اس قدر عروج کو پہنچ جاتی ہے کہ بہت سے امیدواروں کو
غائب کرالیا جاتا ہے۔ فائرنگ کرائی جاتی ہے اور کئی ایک قیمتی جانیں ضائع
ہو جاتی ہیں اس طرح کے انتخابات کرانا اور ان میں حصہ لینا ہلاکت کو دعوت
دینا ہے جب کہ قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ
اِلَى التَّهْلُكَةِ (بقرہ ۱۹۵) کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

۴۔ یہ کہ اس میں شدید تر قباحت یہ ہے کہ عزیز تر رشتے اور ایک
ہی گھر کے افراد آپس میں پھٹ جاتے اور ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے
ہیں ایک ہی گھر میں بسنے والے مختلف پارٹیوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور
اپنی اپنی ہمدردیاں ایک دوسرے سے جدا کر کے مختلف پارٹیوں سے جوڑ
لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں باپ کا رخ ایک طرف اور اولاد کا دوسری
طرف اور ماں، بہن کا کسی اور سمت اور یہ صورتِ حال ایک ہی گھر کے افراد
کے درمیان افتراق و انتشار کا موجب ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

یہ طرزِ انتخابات ایک شیطانی فعل ہے یا منشاءِ شیطان کے عین مطابق ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ
الْعَدَاوَةَ (المائدہ ۹۱) کہ شیطان تم میں باہمی عداوت ڈالنا چاہتا ہے۔
لہٰذا مروجہ طریقے سے انتخاب کرانا شیطان کی خواہش کی تکمیل کرنے کے مترادف ہے

۵۔ یہ کہ ووٹ جو کہ قیمتی چیز ہے یعنی نہایت اہمیت کی حامل ہے
اور صحیح مستحق ہی اس کا حقدار ہے مگر ہمارے ہاں عوام اس کی اہمیت سے
ناواقف ہیں جس کے نتیجے میں ان کی رائے خریدی جاتی ہے۔ ہمارا ملک
معاشی اعتبار سے ابھی اس قدر ترقی نہیں کر پایا کہ لوگ بے دھڑک اور کسی
طمع و لالچ اور دباؤ کے بغیر اپنی رائے استعمال کر سکیں یا یہ کہ ہمارے ملک کی
اکثریت ان پڑھوں اور دین کے احکام و مسائل سے بے خبر لوگوں کی ہے۔
اس لئے ان کی رائے کو دولت مند امیدوار خرید لیتے ہیں اور عوام اپنی رائے
کو بے دریغ فروخت کر دیتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں جو کہ کھلی رشوت
ہے اور رشوت حرام ہے حدیث میں ہے۔ اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ مَلْعُوْنَانِ
اور دوسری حدیث میں ہے اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ فِی النَّارِ (رواہ
الطبرانی فی المعجم الصغیر نقلہ الامام السیوطی فی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۴) کہ رشوت
دینے اور لینے والا دونوں ملعون ہیں لہٰذا موجودہ و مروجہ طریقے کے انتخابات
ایک حرام کو فروغ دینے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ٹھہرتے ہیں۔

۶۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس میں رائے فروشی کے ساتھ ساتھ ضمیر فروشی
بھی ہوتی ہے اور ضمیر فروشی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کو پورا پورا علم

ہوتا ہے کہ فلاں شخص اس کے ووٹ کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ ایک شریف
اور نیک آدمی ہے لیکن وہ اس کے باوجود اس کے مدمقابل کو یہ جانتے ہوئے
کہ وہ مقابلۃً حقدار نہیں ہے یا سرے سے ووٹ کا مستحق ہے ہی نہیں اسی
کو پیسے لے کر یا کسی دوسرے دنیاوی مفاد کو ملحوظ رکھ کر ووٹ دیتا ہے اور
دیدہ دانستہ یہ غلط فیصلہ کرتا ہے اور اپنے ضمیر کی حمیت و تقاضا کی خلاف ورزی
کر کے اپنے لئے خود ہی عذابِ الٰہی کا راستہ تجویز کرتا ہے۔ جو کسی طرح
بھی کلمہ گو اور ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور یہ اسی طرزِ انتخاب کی نوازش
ہے۔ اس لئے یہ طرزِ انتخاب ہرگز جائز اور قابلِ قبول نہیں ہے۔

۷۔ یہ کہ ایک اچھے آدمی کے مقابلہ میں برادری اور قوم کے ایک نالائق
اور بُرے آدمی کو ووٹ دے کر عصبیت و ناجائز طور پر قوم پرستی اور
برادری نوازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اپنے حق میں فخر و مباہات
اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ مدمقابل کی تحقیر و تذلیل کا سلسلہ
وسیع پیمانے پر چلایا جاتا ہے اور یہ طریقہ قطعاً اسلام کے منافی ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ
تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ
(مشکوٰۃ ص۴۱۸ بحوالہ مسلم) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ (اپنی امت
سے فرمائیے کہ) تواضع و انکساری سے کام لو اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے
پر فخر نہ کرے اور نہ ہی کسی سے زیادتی کا مرتکب ہو۔ یہ حدیث قدسی ہے
اور موجودہ و مروجہ طرزِ انتخاب کی صورتِ حال کلی طور پر اس ارشادِ خداے

قدوس کے برعکس ہوتی ہے اس لئے یہ طرزِ انتخاب ہرگز ہرگز مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔

۲۔ دوسری حدیث میں ہے مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلٰی غَیْرِ الْحَقِّ فَهُوَ کَالْبَعِیْرِ الَّذِیْ رَدٰی فَهُوَ یُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ (ابوداوٗد عن ابن مسعود مشکوٰۃ ص۴۱۸) اپنی قوم کی ناجائز حمایت کرنے والا اس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑا اور اس کی دُم پکڑ کر اسے کنویں سے نکلا جا رہا ہو۔ یعنی اس طرح کی کوشش سے اونٹ کنویں سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ ایسا کرنا اونٹ کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتا اور ایسی کوشش کرنے والا کم عقل و بے وقوف ہے یونہی اپنی قوم کی ناجائز (ووٹ وغیرہ ایسی) حرکت سے مدد کرنے والا بے وقوف و بے عقل ہے اور وہ عنداللہ قوم کے لئے مفید نہیں اسے گناہ کے کنویں سے ناکام کوشش کے ذریعے نہیں نکال سکتا۔

۳۔ تیسری حدیث میں ہے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ عصبیت کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلَی الظُّلْمِ کہ اپنی برادری کی ظلم پر حمایت کرنا عصبیت ہے (ابوداوٗد مشکوٰۃ ص۴۱۸)

۴۔ چوتھی حدیث میں ہے لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ (ابوداوٗد مشکوٰۃ ص۴۱۸) کہ وہ شخص ہم میں سے (میری امت سے) نہیں جو عصبیت (برادری کی ناجائز حمایت) کی دعوت دے اور وہ شخص ہم میں سے

نہیں جو برادری کی ناجائز حمایت میں لڑے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برادری کی ناجائز حمایت کے جذبہ میں مرے۔

یہ دعوتِ انصاف و فکر ہے اور عقل سے سوچنے کا موقع ہے کہ موجودہ مروجہ طرزِ انتخاب میں سب سے زیادہ مظاہرہ انتخابات کا نہیں کیا جاتا جس سے حدیث شریف میں منع کیا جا رہا ہے بلکہ ایسے شخص کو امت تک سے خارج بتایا جا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد کوئی مسلمان اس طرزِ انتخاب کی حمایت کر سکتا ہے؟

۸۔ یہ کہ اس میں یا تو دولت مند لوگ ووٹ خرید کر کامیاب ہو جاتے ہیں اور یا بدمعاش، بدقماش اور غنڈہ ٹائپ لوگ غنڈہ گردی اور فساد مچا کر ہلڑ بازی کا مظاہرہ کر کے شریف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر جعلی ووٹ ڈلوا کر کامیاب ہو جاتے ہیں اور وہی اسمبلیوں کے ممبر اور صاحبِ اقتدار ہو جاتے ہیں اور صالح شریف لوگ نیچے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔ رذیل اور خسیس قسم کے لوگوں کو بالادستی حاصل ہو جاتی ہے جب کہ شریف اور صالح لوگ زیر دست رہ جاتے ہیں حدیث شریف میں اس صورتِ حال کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (مشکوٰۃ ص۴۶۹) کہ جب کوئی ذمہ داری نااہل کو سونپی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اس سے بڑھ کر اور قیامت کیا ہوگی کہ سرمایہ دار اور وڈیرے یا غنڈہ گرد اسلامی تعلیمات سے قطعاً ناواقف، بے نماز اور شرپسند لوگ اسمبلی کے ممبر، پھر وہاں

سے صدارت و وزارت وغیرہ کے قلم دان ہاتھ میں لیتے ملک و ملت کی اہم ذمہ داریوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور شریف و صالح اور اہلِ علم و دانش ان کے غلام و محکوم ہو رہے ہیں۔

دوسری حدیث شریف میں ہے إِذَا .... سَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ الخ (ترمذی مشکوٰۃ ص۴۷۰) کہ جب قبیلہ کا فاسق ان کا لیڈر اور قوم بھر کا ذلیل و رذیل ان کا حاکم ہو تو اس وقت قیامت کا انتظار کرنا۔ بلاشبہ گذشتہ انتخابات میں جیتے ہوئے لوگوں کی اکثریت اسی نوعیت کے لوگوں کی رہی ہے اور اسی کی پاداش میں پاکستان جیسی عظیم الشان خداداد مملکت دو لخت ہوئی۔ اگر محب وطن، اہلِ علم، شریف اور صالح و متشرع لوگ منتخب ہوا کرتے تو پاکستان کی حالت ہی کچھ اور ہوتی

۹۔ یہ کہ اس میں عورت و مرد کے ووٹ کی اہمیت مساوی اور برابر ہوتی ہے۔ جب کہ عورتیں مردوں کے مقابلے میں کمزور اور تھوڑا شعور رکھتی ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ کہ عورتیں عقل و ذہن میں مردوں کی نسبت کم ہیں۔ چنانچہ دو عورتوں کی گواہی مل کر ہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے الخ (مشکوٰۃ ص۱۳)

ووٹ کی حیثیت بھی بلاشبہ شہادت کی ہے اور اسلام میں مرد و عورت کی شہادت مساوی نہیں۔ بلکہ ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مساوی قرار پاتی ہے جب کہ مروجہ انتخابات میں ایک مرد کے مقابلہ میں ایک عورت کا ووٹ ہے جو اسلام میں ناقابلِ قبول ہے اور ووٹ میں تو

شہادتِ خواتین کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کہ جب ووٹ کی حیثیت شہادت کی قرار پائی تو شہادت کا اہل ہر شخص نہیں ہے بلکہ شہادت کی اہلیت کے لئے اسلام نے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ جسے مروجہ انتخابات میں ملحوظ نہیں رکھا جاتا لہٰذا یہ طرزِ انتخابات اسلام کے نقطۂ نظر سے قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور شہادت کا اہل کون ہے ؟

اس سلسلے میں آج کے دور کی نزاکت و تقاضے کے پیشِ نظر مجلۂ عدلیہ میں لکھا ہوا قابلِ توجہ اور پسندیدہ متن ہے فرماتے ہیں يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الشَّاهِدُ عَدْلًا وَالْعَدْلُ مَنْ كَانَتْ حَسَنَاتُهُ غَالِبَةً عَلَى سَيِّئَاتِهِ (شرح المجلۃ طبع بیروت صفحہ ۱۰۳۹) یعنی شاہد کا (ووٹ دینے والے کے لئے کہنا چاہیئے) عادل ہونا ضروری ہے اور عادل وہ ہے جس کی نیکیاں اس کی کمزوریوں پر غالب ہوں۔ جب کہ مروجہ انتخابات میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ طریقِ انتخابات قطعاً غیر اسلامی اور ناقابلِ قبول ہے۔

۱۱۔ یہ کہ عورتیں ووٹ ڈالنے کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ مردوں کے ہجوم میں جاتی ہیں۔ اختلاط ہوتا ہے۔ وہاں عورتوں ہی کی باہمی رسہ کشی ہوتی ہے اور بے غرمتی الگ جب کہ اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا مروجہ انتخابات اس طرح سے غیر مقبول و ناجائز ہیں۔

۱۲۔ یہ کہ مروجہ انتخابات میں ان پڑھ اور پڑھا لکھا، جاہل اور عالم برابر

سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی رائے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ جہالت اور علم، ظلمت اور نور برابر درجہ رکھتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الزمر ۹) کہ کیا اہلِ علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ باتفاق علماء یہ استفہام انکاری ہے۔ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ (انعام ۵۰)

فرمادیجئے کہ کیا (علم سے) اندھا اور (علم میں) آنکھیں رکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں تو کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

ھَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (الرعد ۱۶)

کیا (جہالت کے) اندھیرے اور (علم کا) نور برابر ہو سکتے ہیں؟

قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ (المائدہ ۱۰۰)

یعنی فرمائیے کہ بدکار گندہ اور نیکوکار پاکیزہ برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ گندے لوگ تمہیں خوب کثرت میں نظر آئیں۔

ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (النحل ۷۶)

کیا ایک خدا کا نافرمان اور وہ فرمانبردار جو سیدھے راستہ پر گامزن ہے اور دوسروں کو انصاف کا حکم دیتا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا ۔ لَا یَسْتَوٗنَ (   )

تو کیا ایک باعمل ایماندار ایک بدعمل و نافرمان کے برابر ہو گا۔ یہ برابر

نہیں ہیں۔

لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ (التوبہ ۱۹)

یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات گرامی کی روشنی میں اس حقیقت کی وضاحت ہو گئی کہ مروجہ طرزِ انتخابات میں چونکہ جاہل و عالم اور فاسق و صالح کو ایک ہی درجہ میں اور برابر شمار کیا جاتا ہے۔ ایک طرف ایک صالح مسلمان اور دوسری طرف دو فاسق و بدعمل ہوں تو برائی جیت جاتی ہے اور نیکی کی رسوائی ہوتی ہے لہٰذا یہ طریقِ انتخاب اسلامی نقطۂ نظر سے ہرگز ہرگز درست نہیں ہیں۔

۱۴۔ یہ کہ اسمبلی میں پہنچنے والوں کی اکثریت بھی ایسے ہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ جن کی زندگی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسلام کی تعلیمات کو قانون اور ضابطہ کی شکل میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں وہ اپنی اجتماعی خواہشات کی دیوار کھڑی کر کے بیک آواز جو چاہتے ہیں پاس کر دیتے ہیں۔ صالحین اور نیک لوگوں کی آواز دب کر رہ جاتی ہے حالانکہ حکم یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شایانِ شان سلوک کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَھُمْ (مسلم و ابوداؤد عن عائشہ رضی اللہ عنہا وصححہ السیوطی جامع صغیر ج ۱ ص ۱۰۵) کہ لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے مت ہانکو بلکہ انہیں، ان کے شایانِ شان درجہ دو۔ اسمبلیوں میں جہاں کہ لوگ بکثرت جاہل اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر مختلف حیلوں و حربوں سے پہنچ جاتے ہیں صرف اکثریت ہی کا فیصلہ نافذ ہوتا

ہے۔ خواہ وہ اسلام کے خلاف ہی ہو اور صالحین و متقین کا فیصلہ رد کر دیا
جاتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہو۔ یہ صورتِ حال حدیث
مذکورہ کے قطعاً خلاف ہے۔ کسی کو اس کے شایانِ شان درجہ دینے کے معنی
یہی ہیں کہ ان کی بات کا وزن بھی ان کی شخصیت کے مطابق کیا جائے۔

۱۴۔ یہ کہ موجودہ و مروجہ طریقِ انتخابات میں چونکہ جاہل و اسلامی تعلیمات
سے بے بہرہ اور وطن سے دلچسپی تک نہ رکھنے والے بھی شریک ہوتے ہیں۔ جرائم
پیشہ اور دنیا پرست بھی۔ تو ایسے لوگوں کو غیر ملکی طاقتیں خرید لیتی ہیں اور ان
کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتی ہیں اور اپنے خاص نظریات کی ترویج و
اشاعت کے لئے ان کو آلۂ کار بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور وہ اسی
دولت سے دوسرے ووٹروں کو خرید لیتے ہیں اور دوسرے منتخب ممبروں کو اپنا
ہمنوا کر لیتے ہیں۔ اس طرح سے غیر ملکی مداخلت کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور اس
کے نتیجے میں ملک اپنے مقاصد سے محروم ہو کر غیر ملکی و غیر اسلامی نظریات اور
لادینی افکار کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے موجودہ طرزِ انتخاب کی اجازت
دینا وطنِ عزیز کی بربادی کے لئے راستہ ہموار کرنے کے مترادف ہے۔ اور
حُبُّ الوطن من الایمان حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی بھی۔
لہٰذا ایسے انتخابات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۵۔ یہ کہ ان انتخابات میں ہر شخص میں ممبر بن جانے کا شوق اور الٹے سیدھے
داؤ پیچ لگا کر اسمبلی تک پہنچنے کی اندھی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام میں جاہ
طلبی اور حرص کی حد تک ممنوع ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرماتے ہیں اِنَّا لَا نُوَلِّیْ مَنْ حَرَصَ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۳۲۰)
بلاشبہ ہم کسی (کلیدی) منصب پر اس کے حرص رکھنے والے کو فائز نہیں فرماتے
اور حرص رغبت مذمومہ کا نام ہے۔ لہٰذا یہ طرزِ انتخابات جائز نہیں ہے۔

۱۶۔ یہ کہ اسی حرص و ہوس میں پارٹیاں اور اشخاص لوگوں سے جھوٹے
وعدے کرتے ہیں۔ منشور میں وہ بلا کے مبالغے کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ گزشتہ
حالات ہمارے لئے سبق آموزی کو کافی ہیں اور جو پارٹی مبالغہ آمیز اور جھوٹے
وعدے نہ کرے، سبز باغ نہ دکھائے، عوام کو تکلفات و تصنعات کے ذریعے
قائل نہ کرے وہ انتخاب نہیں جیت سکتی۔ اس لئے ان انتخابات کے ذریعے
سچے لوگوں کی پارٹی کی بجائے جھوٹے اور مکار لوگوں کی پارٹی برسرِ اقتدار آ جاتی
ہے اور مکاری، جھوٹ اور شر و فساد کو فروغ دیتی ہے۔ دینی و اسلامی
اقدار کو پامال کرتی ہے اس کے ذریعے باطل کا سر اونچا ہو جاتا ہے اور حق کو
سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ حق دلائل و حجت میں ہمیشہ غالب رہے گا اور
اس کا سر بلند و بالا دکھائی دے گا۔ مگر مروجہ انتخابات کو دلائل و حجت سے کیا
واسطہ؟ یہاں تو بولنے والا اور گونگا برابر ہیں۔ چوٹی کا عقلمند دو نیم پاگلوں
کے آگے بے بس ہوتا ہے۔ ان انتخابات میں ایک سیر خالص سونا دو سیر مٹی
کے ڈھیلوں کے سامنے کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتا۔ یہاں کوئی جس قدر
سچائی سے کام لے گا اسی قدر مار کھائے گا اور ہار جائے گا اور جو جس قدر جھوٹ
بولے گا اور لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کا مصداق بنے گا۔ اسی قدر اس

کی واہ واہ ہوگی۔ اسی قدر اس کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہوگا۔ اسی کو سیاستدان
تصور کیا جائے گا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

العیاذ باللہ من تلک الخرافات

۱۷۔ ان انتخابات کی یہ خرابی بھی مسلمات میں سے ہے۔ بہت سی
پارٹیاں جن کا ایک مقصد، ایک نصب العین اور ایک ہی نشانِ منزل ہے
اپنے فروعی قسم کے اختلافات کو بدقسمتی سے نظر انداز نہیں کر پاتیں یا غیر ملکی
ایجنٹ جوان کے ہم نوا ہو کر ان میں گھس جاتے ہیں۔ انہیں باہم متحد نہیں
ہونے دیتے، نتیجتہً انتخابات کے موقع پر یہ لوگ پھٹے رہتے ہیں ایک دوسرے
کے مقابلے میں متعدد امیدوار کھڑا کر دیتے ہیں۔

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

ان کے ستر فیصد ووٹ مثال کے طور پر تین جگہ تقسیم ہو کر ان کے مجموعی
طور پر ہار جانے کا باعث ہو جاتے ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں تیس فیصد
ووٹ لینے والا باطل کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہم وطن لوگوں اور بیرونی دنیا کی
نظروں میں یہ بات آگئی کہ اسلام ہار گیا اور کمیونزم جیت گیا۔ حالانکہ دراصل
اسلام کو ووٹ زیادہ ملے تھے اور کمیونزم کو کم۔ مگر اسے کون دیکھتا ہے۔ اس
طریق کار سے ملک رسوا ہوا۔ اسلام کی قوت و شوکت کو نقصان پہنچا۔ شرافت
کو ناقابلِ تلافی ضعف پہنچا۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک پر گمراہی کے بادل

اُمڈ کر آجاتے ہیں اس کے بعد جو قباحتوں کے طوفانوں کا تصور ہے اس سے
ایک مسلمان کا کلیجہ شق ہونے کو آئے بغیر نہیں رہتا۔

۱۸۔ یہ کہ کامیاب ہونے والی پارٹی جس طرح سے پارٹی نوازی کا مظاہرہ
کرتی ہے۔ اس سے ہر پاکستانی باخبر ہے اس سے قطع نظر کہ ان افراد جماعت یا
پارٹی کے کارکنوں کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ انہیں پوری قوم پر مسلط کر دیا جاتا
ہے ملک کے پورے انتظامی ڈھانچہ پر انہی کا تسلط اور کنٹرول ہوتا ہے۔ جو
صاحبِ منصب ان کی نہ مانے اس کا منصب متعلقہ پر فائز و باقی رہنا غیر یقینی
ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے انتظامیہ برسرِ اقتدار پارٹی کے کارکنوں سے مرعوب ہو
کر ان کی ہر جائز و ناجائز سفارش ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ صورتِ حال ملک
کے عوام و خواص کو درحقیقت برسرِ اقتدار پارٹی کا غلام بنا کر رکھ دیتی ہے۔ برسر
اقتدار پارٹی کے کارکن رشوت کھانے لگ جاتے ہیں، رشوت کا دور دورہ شروع
ہو جاتا ہے اور اس پارٹی کے کارکن جو کبھی غریب اور مفلس تھے چند دنوں میں
امیر ہو گئے۔

بھٹو صاحب کی پارٹی نے بالخصوص یہی گل کھلائے اور اس سلسلے میں
بُری طرح ڈالی گئی ہے اب آئندہ کسی بھی برسرِ اقتدار پارٹی کا اس سے محفوظ
رہنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے اس طرز کے انتخابات جہاں اسلام کے خلاف ہیں
وہاں ملک و قوم کے لئے بھی تباہ کن ہیں۔

۱۹۔ یہ کہ ان انتخابات میں برسرِ اقتدار پارٹی کے علاوہ دوسری پارٹیاں حزبِ
اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں۔ برسرِ اقتدار پارٹی سے محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی حزبِ اقتدار کی طرف سے حزبِ اختلاف کے کارکنوں اور راہنماؤں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے۔ یا رشوتوں کے ذریعے ان کے کارکنوں کو خرید لیا جاتا ہے یا جھوٹے مقدمات میں انہیں ملوث کر کے اپنی پارٹی کو چھوڑ کر برسرِ اقتدار پارٹی کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اس طرح وہ اپنی پارٹی سے بے وفائی کر کے حزبِ اقتدار سے جا ملتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ملک و ملت کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں رہتی بلکہ بربادی کا باعث ہوتی ہے۔

۲۰۔ حزبِ اقتدار اپنے اقتدار کو طول دینے یا آئندہ متوقع انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی جائز و ناجائز کارروائیاں شروع کر دیتی ہے حتیٰ کہ من مانی کرتے ہوئے ملک کے آئین تک کو بدل کر یا مختلف ترامیم کر کے اس کی صورت مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

کی مصداق قرار پاتی ہے۔ یہ صورتِ حال بھی ملک و ملت کے لئے خطرناک ہو کر اس کے تزلزل کا باعث بن جاتی ہے۔

۲۱۔ یہ کہ اس کے برعکس حزبِ اقتدار لوگوں سے داد و دہش حاصل کرنے اور نام نہاد جمہوریت پرستی کا مظاہرہ کرنے کے لئے حزبِ اقتدار کو جائز و ناجائز تنقیدات کا نشانہ بناتی ہے۔ اسمبلی ہال میں ایک دوسرے پر تیز و تند حملے کئے جاتے ہیں۔ گالی گلوچ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ گزشتہ حالات اگر کسی کے حافظہ سے محو نہیں ہوئے تو یاد ہو گا کہ حزبِ اقتدار و

حزبِ اختلاف میں ہاتھا پائی اور ایک دوسرے پر کرسیاں اٹھا اٹھا کر پھینکنے، طمانچے رسید کرنے اور ایک دوسرے کو اسمبلی ہال سے مارپیٹ کر نکال باہر کرنے کے واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔

۲۲۔ یہ کہ پورا ملک کشیدگی، پارٹی بازی کے افتراق و انتشار کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

۲۳۔ یہ کہ اسلام میں حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن موجودہ و مروجہ انتخابات میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا تصور لازم ہے۔ اس کے بغیر نام نہاد جمہوریت کا تصور مکمل ہی نہیں ہوتا۔ جب کہ اس کے برعکس اسلام میں ایک ہو کر باہمی اتفاق و اتحاد اور ایک دوسرے سے تعاون کر کے نظامِ حکومت چلانے کا حکم ہے۔ اسلام کے سربراہ کی کوئی علیحدہ جماعت و پارٹی کا کوئی تصور نہیں بلکہ ایک ہی جماعت ہونے کا حکم ہے علیحدہ علیحدہ پارٹیوں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ملک میں ایک ہی جماعت ہو جس کی قیادت صحیح العقیدہ اہلِ علم باعمل اور پابند شریعت حضرات کریں۔ جو ان سے الگ ہو گا اور بڑی جماعت سے جدا ہو کر اپنی پارٹی علیحدہ بنائے اور حکومت و امارت کی تذلیل و تحقیر کو اپنا وطیرہ بنائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت نہیں پائے گا چنانچہ حدیث شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ وَاسْتَذَلَّ الْإِمَارَةَ لَقِيَ اللّٰهَ وَلَا وَجْهَ لَهٗ

(مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ جلد ۵ صفحہ ۳۸۷/۴۰۶) یعنی جو شخص جماعت

سے علیحدہ ہُوا اور اس نے حکومت کی تذلیل و تحقیر کا سلسلہ اختیار کر لیا وہ خدا تعالیٰ سے یوں ملے گا کہ اس کی کوئی عزت و عظمت نہ ہو گی۔

یہ حدیث سامنے رکھنے کے بعد دیکھا جائے تو حزبِ اختلاف کا حزبِ اقتدار کے ساتھ اور حزبِ اقتدار کا حزبِ اختلاف کے ساتھ جو مخاصمانہ و معاندانہ رویہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں یہ جز بہر صورت عیاں اور نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ پارٹیوں کے علیحدہ علیحدہ تشخص سے ملک اور ملت کے باشندوں میں بھی علیحدگی و فرقہ پرستی کے جذبات ابھرتے ہیں اور امت کی وحدت کو نقصان پہنچتا ہے لہٰذا حزبِ اقتدار و اختلاف کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے اور مروجہ انتخابات جس سیاست پر مبنی ہے اس سیاست میں ملک میں دو مخالف جماعتوں (برسرِ اقتدار اور برسرِ اختلاف) کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے مروجہ انتخابات بالغ رائے دہی کی صورت میں اسلام کے نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہیں۔

سوال:۔ کیا غیر مسلموں پر بھی اس کا اطلاق ہو گا؟

الجواب:۔ بلاشبہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اطلاق ہو گا یعنی اسلامی ریاست میں سربراہِ ریاست یا اس کی شوریٰ کے معاملہ میں غیر مسلموں کی نہ تو رائے لی جائے گی اور نہ ہی انہیں نمائندگی دی جائے گی۔ اس سلسلے میں ان کی مداخلت کا کوئی جواز نہیں، قرآن و سنت اور فقہاءِ امت کی مندرجہ ذیل ہدایات واجب التعمیل ہیں جن سے ایک اسلامی ریاست کے لئے انحراف ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝

(سورہ آل عمران ۱۱۸)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے علاوہ مخالفین کو اپنا رازدار نہ بناؤ کہ وہ تمہاری حالت خراب کرنے میں کوئی کمی نہ کریں گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی اور وہ غضب و عداوت جو ان کے دلوں میں چھپے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں ہم نے تمہیں کھول کر باتیں کہہ دی ہیں اگر تمہیں عقل ہے

اس آیت سے صاف ظاہر معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے ہم مذہب دینی بھائیوں کے علاوہ کسی کو بھی ملک و ملت کے اہم معاملات میں شریک کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے ملک و ملت اور اس کے افراد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ ملکی و ملی مصالح و حکمتوں کا تقاضا اور فلاح و بہبود پر مبنی نظم و نسق کا اہم ضابطہ ہے اسے تنگ نظری کا نام دینا بجائے خود تنگ نظری قرار پاتا ہے جیسے مضر اور نقصان دہ چیزوں کے استعمال سے حکماء اطباء منع فرماتے ہیں اور ان کی ہدایات کو "اصولِ حفظانِ صحت" کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے کوئی عقلمند حکیموں اور ڈاکٹروں کی تنگ نظری سے تعبیر نہیں کرتا۔ یونہی خدا اور رسول و اسلام کی ان ہدایات کو بھی "اصولِ حفظانِ دین" اور "اصولِ حفظانِ ریاستِ اسلامی"

تصور کیا جائے گا۔

امام قرطبی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

نَهَى اللهُ تَعَالٰى الْمُؤْمِنِيْنَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنْ يَتَّخِذُوْا مِنَ الْكُفَّارِ وَالْيَهُوْدِ وَاَهْلِ الْاَهْوَاءِ دُخَلَاءَ وَوُلَجَاءَ يُفَاوِضُوْنَهُمْ فِي الْاٰرَاءِ وَيُسْنِدُوْنَ اِلَيْهِمْ اُمُوْرَهُمْ ط

(تفسیر قرطبی ج ۴ صہ ۱۷۸)

اللہ تعالٰے نے اس آیت میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں، یہودیوں اور دیگر بے دینوں کو اپنے ملکی و ملی معاملات میں دخیل بنائیں یا ان کو رازوں سے باخبر نہ ہونے دیں۔ ان سے رائے نہ لیں اور اپنے ملکی و ملی و دینی تمام امور میں ان پر اعتماد و اعتبار نہ کریں۔

اس آیت میں گویا مسلمانوں پر سخت پابندی لگائی گئی ہے اور انہیں سختی سے آگاہ کیا گیا ہے کہ غیر مسلم خواہ وہ بت پرست ہوں یا یہودی و عیسائی ہوں یا کوئی دوسرے بد مذہب و لادین ہوں۔ ان کو ملکی و ملی اہم مناصب نہ سونپیں، ان سے رائے لینے کی بھی نہ سوچیں۔ ان پر کسی طرح کا اعتماد نہ کریں جب سے مسلمان حکمرانوں اور اسلامی سربراہوں نے خدا تعالٰے کے ان احکام کی پابندی کی ان کی حکومتیں مستحکم رہیں اور ان کے اقتدار کو پائیداری حاصل رہی اور جب انہوں نے ملک و ملت اور اسلام کے بارے میں تساہل پسندی، نرم خوئی دوسرے لفظوں میں بزدلی اور مداہنت اختیار کی ان کی حکومتوں کو تہ و بالا کر دیا گیا ان کے اقتدار کو زوال آگیا اور وہ حرفِ غلط کی طرح خود بھی صفحۂ ہستی

سے مٹا دیئے گئے اور ملک و ملت کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا رہا۔

مفسر موصوف یہی رونا روتے ہوئے بڑی حسرت و یاس کے ساتھ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَقَدِ انْقَلَبَتِ الْاَحْوَالُ فِي هٰذِهِ الْاَزْمَانِ بِاتِّخَاذِ اَهْلِ الْكِتَابِ كَتَبَةً وَاُمَنَاءَ وَتَسَوَّدُوْا بِذٰلِكَ عِنْدَ الْجَهَلَةِ الْاَغْنِيَاءِ مِنَ الْوُلَاةِ وَالْاُمَرَاءِ

(تفسیر قرطبی ج ۴ صہ ۱۷۹)

میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ آج کے دور میں معاملہ ہی برعکس ہو گیا ہے۔ جاہل سربراہوں اور دینی تقاضوں سے ناواقف حکمرانوں نے یہودیوں عیسائیوں (ایسے غیر مسلموں) کو اپنا معاون و خاص تعلق دار مشیر وغیرہ بنا لیا اور ان غیر مسلموں نے ان حکمرانوں کے ہاں اپنا خاص مقام پیدا کر لیا۔

الغرض! غیر مسلموں کو سربراہ کے انتخاب، اسی طرح مجلس شوریٰ اور وزارت و دیگر کلیدی مناصب کے قریب بھی نہ بھٹکنے دیا جائے۔

چنانچہ علامہ موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں

كُلُّ مَنْ كَانَ عَلٰى خِلَافِ مَذْهَبِكَ وَدِيْنِكَ فَلَا يَنْبَغِيْ لَكَ اَنْ تُحَادِثَهُ

(تفسیر قرطبی ج ۴ صہ ۱۸۱)

یعنی جو شخص تمہارے دین و مذہب کے خلاف (کوئی اور دین و مذہب رکھتا) ہو اس سے مشورہ مت لو۔

لہٰذا غیر مسلموں کو ملکی و ملی امور میں بطور مشیر شریک نہ کیا جائے اور نہ ہی

اہم مناصب پر ان کا تقرر کیا جائے۔

۲۔ امام عبد بن حمید و امام ابو یعلی و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ۔ یعنی مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ

لَا تَسْتَشِيرُوا الْمُشْرِكِينَ فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِكُمْ وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ ط

تم اپنے ملکی و ملی کاموں میں غیر مسلموں کو مشیر نہ بناؤ اور اس کی تصدیق اللہ تعالے کی کتاب میں ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

(تفسیر دُر منثور ج ۲ ص ۶۶)

اس میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کو ایسے ادارہ میں شریک نہ کیا جائے جو ادارہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور اسلام قوم کے لئے باہمی صلاح و مشورہ کے لئے تشکیل پذیر ہوا ہو۔

۳۔ امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں آیت مندرجہ بالا کے تحت لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ ایک غیر مسلم ذمی غلام ہے جو بڑا ہی ذہین اور لکھنے کا ماہر ہے مناسب ہوگا کہ آپ اسے بطور محرر ملازم رکھ لیں آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ تعالے

کے ارشاد لا تتخذوا بطانۃ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

فَفِي هٰذِهِ الْأَثَرِ مَعَ هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ أَهْلَ الذِّمَّةِ لَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُهُمْ فِي الْكِتَابَةِ الَّتِي فِيهَا اسْتِطَالَةٌ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَاطِّلَاعٌ عَلَى دَوَاخِلِ أُمُورِهِمُ الَّتِي يُخْشَى أَنْ يُفْشُوهَا إِلَى الْأَعْدَاءِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ ۝

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۹)

اس روایت و آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کو لکھنے کا وہ کام سونپنا جائز نہیں جس میں انہیں اہل اسلام پر کسی قسم کی برتری حاصل ہو اور وہ مسلمانوں کے ان اندرونی معاملات سے واقف ہوں جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ انہیں دشمنانِ دین اہل حرب تک پہنچا سکتے ہیں۔

اس میں واضح ہے کہ ان کو چھوٹے منصب سے لے کر کسی ایسے بڑے منصب پر فائز کرنا جائز نہیں۔ جس میں وہ مسلمانوں پر کوئی فوقیت پائیں لہذا مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ میں تو کسی طرح بھی ان کی نمائندگی جائز قرار نہیں پاتی۔

سوال :۔ کیا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔

الجواب :۔ بلاشبہ عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اور یہ جواب مندرجہ ذیل وجوہات پر مبنی ہے۔

ادرائے لینے کا مطلب یہ ہے کہ رائے دینے والے کو کامل العقل اور

صاحب شعور تام سمجھ رہا ہے جب کہ قرآن و سنت کی روشنی میں عورت ناقص العقل بھی ہے اور ناقص دین بھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور مشکوٰۃ کے ص۱۳ کے حوالے سے مقالہ ہذا کے صفحہ پر حدیث لکھی جا چکی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مرد کے مقابلہ میں ایک عورت کی نہیں دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۝ — کہ ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اسے یاد دہانی کرا دے گی۔

(البقرہ ۲۸۲)

یہ حقیقت ایسی مسلمہ ہے کہ مغرب کے مفکرین تک نے اسے تسلیم کیا ہے چنانچہ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک (HOOLOCK ELLIS) نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لئے دھوکا اور فریب بمنزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ عورت کا مقصد تخلیق گھریلو امور اور تربیت اولاد کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں عورت کی امامت مکروہ فرمائی گئی ہے اور اذان و خطابت بھی کہ یہ تمام امور جہاں اس کی گھریلو ذمہ داریوں پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں اس کی نسوانیت کے تقاضوں کو بھی مجروح کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے وہ باہر نکلے گی اور اس کا باہر نکلنا اور بے حجابانہ پھرنا اس کی نسوانیت کے منافی ہے کہ شریعت نے اسے چادر اوڑھنے، حجاب کرنے کا پابند کیا ہے اور لاتے دہی کے لئے اسے خواہ مخواہ چادر اور چار دیواری کو خیر باد کہنا پڑے گا جو کہ خود اس کے لئے اور اجتماعی معاشرہ کے لئے ہرگز

درست نہیں ہے اللہ تعالےٰ قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے کہ

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۝ — اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور اگلی جاہلیت کی مانند بے پردہ نہ رہو

(احزاب ۳۳)

اس آیت کی تفسیر میں علماء مفسرین لکھتے ہیں۔ قبل اسلام عورتیں سر اٹھائے پھرتی تھیں، اپنے محاسن و زینت کا اظہار کرتی تھیں۔ نیم عریاں لباس پہنتی تھیں، سر نہیں ڈھانپتی تھیں۔ قرآن نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور واضح طور پر ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۝ — اے نبی اکرمؐ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیجئے کہ اپنی چادروں کا حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں۔

(احزاب ۵۹)

یعنی جب گھر سے باہر نکلنا ہو تو سر اور منہ پر چادر کا حصہ ڈال کر نکلیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ تخریج کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جب گھروں سے کسی کام کو نکلیں أَنْ يُغَطِّينَ وُجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَيُبْدِينَ عَيْنًا وَاحِدَةً (تفسیر در منثور ج ۵ ص۲۲۱) تو اپنے اوپر چادر ڈال کر اس کے ایک حصہ سے منہ کو چھپا لیں اور آنکھیں کھلی

دیکھیں تاکہ چلنے پھرنے میں حرج نہ ہو۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں مسلمان عورتوں کو حجاب کرکے نکلنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے شریعت کا مقصد یہی ہے کہ عورتوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ گھریلو امُور کے لئے ہیں اور ان کا باہر نکلنا کسی ضرورت و حاجت کے بغیر مناسب نہیں اور اگر نکلیں بھی تو حجاب کے ساتھ نکلیں۔ ایسی صورت میں انہیں ایسے کاموں میں دلچسپی لینا کیونکر زیب دیتا ہے جن میں مردوں سے یہ مقصد بحُسن و خوبی حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انہیں بلاوجہ و بلاضرورت مردوں کی طرح رائے دہی کے لئے جانا اور حصہ لینا بھی جائز نہیں۔

۳۔ علاوہ ازیں عورتیں اپنے خانگی امور میں دلچسپی لینے کی پابند ہیں اور یہی ان کا مقصدِ تخلیق ہے جب وہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف رائے دینا چاہیں گی تو انہیں اجنبی مردوں کے بارے میں پہلے معلوم بھی کرنا ہوگا ان کی شخصیت اور شخصیت سے متعلقہ اوصاف پھر ان کے مشاغل اور ان کا حلقۂ یاراں بھی معلوم کرنا ہوگا کہ انسان کی شخصیت سے متعارف ہونے کا ایک پہلو اس کے حلقۂ احباب کے افراد بھی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے تو ایک رائے دہی کے لئے ایک خاتون کو کس قدر امُور کی چھان بین کرنا ہوگی اور یہ خبر پھر بھی اس کے لئے تسلی کو ناکافی ہو گی۔ لہٰذا اس کا رائے دہی میں حصہ لینا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

۴۔ جب فقہاءِ اسلام خواتین کے مساجد میں آنے کے روادار نہیں ہیں تو اس کے رائے دہی کے لئے نکلنے اور اسمبلی میں جانے کے روادار کیونکر ہو سکتے

ہیں اور مساجد میں آنے کی ممانعت حدیثوں میں آئی ہے چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب الاذان و صحیح مسلم کی کتاب الصلوٰۃ اور سنن ابی داؤد کی بھی کتاب الصلوٰۃ اور سنن ترمذی کی کتاب الجمعہ اور مؤطا کی کتاب القبلہ میں موجود ہے کہ

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کی جدتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد سے روک دیتے۔

اس کے بعد کونسا مسلمان ہے جو اسلامی تقاضوں کو سمجھتے ہوئے یہ کہنے کی جسارت کرے کہ ہاں رائے دہی کے لئے ان کا گھروں سے باہر جانا جائز ہے

۵۔ پھر چونکہ عورتیں ناقص العقل ہیں اس لئے ان کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ان سے رائے لینا، ان سے مشورہ لینا ہے اور ناقص العقل کا مشورہ بھی نقصان سے خالی نہیں ہوگا۔

۶۔ امام ماوردی علیہ الرحمہ متوفی ۴۵۰ھ اور امام ابویعلی متوفی ۴۵۸ھ اپنی اپنی احکام سلطانیہ میں فرماتے ہیں۔

لَا يَجُوْزُ اَنْ تَقُوْمَ بِذٰلِكَ امْرَءَةٌ وَاِنْ كَانَ خَبَرُهَا مَقْبُوْلًا لِمَا تَضَمَّنَتْهُ مَعْنَى الْوِلَايَاتِ الْمَصْرُوْفَاتِ عَنِ النِّسَاءِ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا اَفْلَحَ قَوْمٌ اَسْنَدُوْا اَمْرَهُمْ

کہ مشیر و وزیر کی ذمہ داریاں عورت کے لائق نہیں اگرچہ اس کی خبر مقبول ہے کیونکہ قیادت و مشاورت کے مناصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہ "وہ قوم کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے ملکی و ملی معاملہ کو عورت کے سپرد

الحٰـ امْـرءۃ ط
(الاحکام السلطانیہ صـ۲۷ ماوردی
صـ۳۱ ابو یعلی)

کیا" کی رو سے عورتوں کو نہیں سونپے
جا سکتے۔

اس کے بعد امام ماوردی علیہ الرحمۃ اور امام ابو یعلی فرماتے ہیں کہ

ولان فیہا طلب الرأی و
ثبات العزم وما یضعف عنہ
النساء والبروز فی مباشرۃ
الامور مما ھو علیہن محظور
(احکام سلطانیہ صـ۲۷ ماوردی
صـ۳۲ ابو یعلی)

وزارت و مشاورت کا معاملہ
عورت کے لئے اس لئے بھی منع ہے
کہ اس میں رائے مطلوب اور ثبات
عزم مقصود ہوتا ہے اور اسی طرح کی
وہ چیزیں درکار ہوتی ہیں جن کی ادائیگی
سے عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور ان امور
میں عورتوں کو نکلنا بجائے خود ممنوع ہے

بحمدہ تعالٰے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہوگئی کہ عورتوں سے رائے لینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ملکی و ملی مناصب ان کے سپرد کئے جا سکتے ہیں پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ و خلفائے راشدین کی سنت مطہرہ اور ان کے بعد کے شاہان اسلام و حکمران عادلان اسلام کے زریں ادوار صفحات تاریخ پر تاباں و درخشاں نظر آتے ہیں ان میں کہیں بھی یہ بات نظر نہ آئے گی کہ عورتوں کی رائے کو اس قدر اہمیت دی گئی ہو کہ وہ ملک و ملت کے اہم امور و اہم مناصب پر فائز ہوئی ہوں۔

لہٰذا بالغ رائے دہی میں عورتوں کی رائے لینے کی ضرورت نہیں ہے یہی

اسلامی نقطۂ نظر ہے البتہ بعض ان امور میں جن کا تعلق نسواں سے ہے عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا۔ صحابۂ کرام و اسلاف و فقہاء کرام کی یہی ہدایت ہے اور اسی پر عمل رہا ہے

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں قطعاً صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور و مسطور ہے
چنانچہ شرح منہاج امام نووی علیہ الرحمۃ میں فرماتے ہیں۔
(ومنہا کونہ ذکرا) کہ اس کے منصب کے لئے مرد ہی ہونا چاہیئے۔ اس کی شرح میں علامہ شیخ عبدالحمید شروانی و علامہ امام ابن القاسم العبادی لکھتے ہیں کہ مرد کی شرط اس لئے ہے کہ

لِضُعْفِ عَقْلِ الْاُنْثٰی وَعَدَمِ
مُخَالَطَتِہَا لِلرِّجَالِ وَصَحَّ خَبَرُ
لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ
اِمْرَءَۃً (ج ۹ صـ۷۵)

عورتیں ضعیف العقل ہوتی ہیں۔
اور انہیں اجنبی مردوں سے میل جول
بھی منع ہے اور اس سلسلے میں صحیح
حدیث ہے کہ جو قوم اپنے ملکی و ملی
معاملات میں عورتوں کو اہمیت دے گی
وہ ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔

فتاویٰ در مختار احناف میں بھی مرد ہونا ضروری قرار پایا ہے اور اس کی شرح میں امام الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَلِاَنَّ النِّسَآءَ اُمِرْنَ
بِالْقَرَارِ فِی الْبُیُوْتِ فَکَانَ
مَبْنٰی حَالِہِنَّ عَلَی

کہ عورتوں کو اس لئے رائے دہی و
قیادت و امارت و مشاورت وغیرہ
ایسے ملکی و ملی اہم معاملات میں شرکت نہ

الستر ط

کیا جائے گا کہ انہیں گھروں میں بیٹھ کر گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم ہے تو ان کا حال پردہ پر مبنی ہے

(فتاویٰ شامی ج ۱ ص۵۴۹)

اس کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں والیہ اشار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرھم امرءۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد " وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے معاملات میں عورتوں کو قائد بنایا۔" سے بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔

الغرض! خواتین کو رائے دہی میں شریک کرنا ملک و ملت کی بہتری کے خلاف ہے۔ البتہ نسوانی امور میں جن سے مرد مطلع نہیں ہوتے عورتوں سے ہی رائے لی جائے گی۔ شریعت کے مقتداؤں کی یہی ہدایات ہیں اور ان کا خود اپنا عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ متعلقہ امور میں عورتوں سے مشورہ لیتے تھے

علاوہ ازیں ترمذی کی حدیث میں ہے۔

" جب تمہارے حاکم اور امیر تم میں سے بہتر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار سخی اور تمہارے کام باہمی مشورے سے ہوں تو پھر زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے یعنی تمہیں زندہ رہنے کا حق ہے اور جب تمہارے سربراہ گھٹیا لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَائِکُمْ اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے مشورے سے طے پائیں تو زمین کا اندر (قبر) تمہارے لئے بہتر ہوگی۔

(ترمذی ج ۲ ص۵۱)

اس حدیث میں عورتوں کے ہاتھ میں اپنے ملکی و ملی معاملات دینے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنے کو خطرناک و لائق احتراز بتایا گیا ہے اور واضح طور پر اسے موت کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے اس سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جو عورتوں سے متعلق ہیں۔ اسی طرح امام جلال الدین سیوطی مسند امام احمد و طبرانی و مستدرک کے حوالہ سے جامع صغیر میں روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ھَلَکَتِ الرِّجَالُ حِیْنَ اَطَاعَتِ النِّسَآءَ یعنی مرد اس وقت تباہ ہو جائیں گے جب عورتوں سے رائے لے کر اس پر عمل کریں گے۔ اس کی شرح میں امام عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں۔

عَنْ عُمَرَ خَالِفُوا النِّسَآءَ فَاِنَّ فِیْ خِلَافِھِنَّ الْبَرَکَۃَ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی رائے کے خلاف چلو بلاشبہ ان کے خلاف چلنے میں برکت ہے۔

(فیض القدیر ج ۶ ص۳۵۶)

اس میں عورتوں کی رائے کے نقصان دہ ہونے کی وضاحت فرمائی گئی ہے لہٰذا نقصان سے بچنے کے لئے ان کی رائے کے خلاف چلنا چاہیے۔ اسی طرح اس کے بعد موصوف علیہ الرحمہ امام ابن لال و امام دیلمی کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لَا یَفْعَلَنَّ اَحَدُکُمْ اَمْرًا حَتّٰی یَسْتَشِیْرَ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ مَنْ یَسْتَشِیْرُہٗ فَلْیَسْتَشِرْ اِمْرَءَۃً

تم میں سے کوئی شخص کوئی اہم کام مشورہ کے بغیر نہ کرے پھر اگر ایسا شخص نہ پائے جس سے مشورہ لے تو کسی عورت

ثُمَّ لِيُخَالِفْهَا فَإِنَّ فِيْ خِلَافِهَا الْبَرَكَةَ — سے مشورہ لے کر اس کے مشورہ کے برعکس کرے کر ان کے مشورہ کے خلاف کرنے میں برکت ہے۔
(فیض القدیر ج ٦ ص ٣٥٦)

وہ حدیث جس میں ہے کہ جو قوم عورتوں کو اپنے معاملات سونپے گی اور ان کی رائے کو اہمیت دے کر اس پر عمل کرے گی وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی اسے مسند امام احمد کے جلد ۵ صفحہ ۵۰ پر روایت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اسے بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب المغازی وکتاب الفتن، ترمذی نے کتاب الفتن اور نسائی نے کتاب القضاء میں روایت کیا ہے۔ البتہ نسوانی امور جو مردوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں ان میں عورتوں سے رائے لی جائے گی اس حد تک ان سے مشورہ جائز بلکہ ضروری ہے۔

سوال :- کیا از روئے اسلام حق رائے دہی پر کوئی پابندی عائد کی جا سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :- رائے دہی ہر شخص کا حق نہیں ہے یہ مغربی جمہوریت میں حق رائے دہی کا تصور ہے یہ قطعاً اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام میں ایسی رائے دہی کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی رائے کا ہر حق ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے بلکہ رائے دہی اہل علم و اہل رائے ہی کے شایانِ شان ہے وہی مشورہ دے سکتے ہیں اور انہی کی رائے، رائے کہلانے کے قابل بھی ہے چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ رائے ان سے طلب کرو۔ جو اہل علم و عقل مند ہوں اور خدا اور رسول کے فرمانبردار ہوں۔

چنانچہ تفسیر در منثور میں ہے کہ امام خطیب بغدادی علیہ الرحمہ نے موطا امام مالک علیہ الرحمہ کے رُواۃ میں تخریج کی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ

"آپ کے بعد ہمیں اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس میں قرآن سے بظاہر کوئی حل نہ مل سکے تو اس وقت ہم کیا کریں آپ نے فرمایا اِجْمَعُوْا الْعَابِدَ مِنْ اُمَّتِیْ وَاجْعَلُوْہُ بَیْنَکُمْ شُوْرٰی وَلَا تَقْضُوْہُ بِرَأْیٍ وَاحِدٍ یعنی میری امت کے عبادت گذار (پابندگانِ صوم وصلوٰۃ اہل علم وفضل) حضرات کو جمع کر کے ان سے باہم مشورہ لینا اور ایک آدمی کی رائے پر فیصلہ نہ کرنا" (تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱)

علامہ شروانی و علامہ عبادی شرح منہاج امام نووی امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ کے حواشی میں فرماتے ہیں اِنَّ الْمُعْتَبَرَ ھُوَ بیعت اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء و وجوہ الناس (ج ۹ ص ۷۶) کہ اس سلسلے میں اربابِ حل وعقد یعنی علماء کرام و اہل دانش و دین رئیسوں اور راہنماؤں کی رائے ہی معتبر ہے۔ عامۃ الناس کی نہیں۔

امام ماوردی و امام ابویعلیٰ نے رائے دینے والوں کی تین شرطیں لکھی ہیں

١. العدالۃ — کہ وہ صاحبِ عدالت ہوں عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل شہادت ہوں اور اہل شہادت وہ ہیں

جو فرائض و واجبات (خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) کے پابند اور محرمات سے بچتے ہوں اور جن کی نیکیاں ان کی خطاؤں پر غالب ہوں جیسا کہ ہم نے شرح مجلہ عدلیہ کے حوالے سے اس سے پہلے عرض کیا ہے۔

۲۔ ان کو اس قدر دین کا علم ہو کہ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مملکت کے لئے سربراہ کا صحیح انتخاب کر سکیں۔

۳۔ صاحب بصیرت اور سوجھ بوجھ رکھنے والے ہوں۔

(الاحکام السلطانیہ ماوردی صہ ۶ والاحکام السلطانیہ ابو یعلی صہ ۱۹)

لہٰذا ایسے حضرات سے رائے لی جائے گی اور ایسے حضرات کو اسمبلی کا ممبر لیا جائے گا اور ایسے ہی حضرات کا تقرر کیا جائے گا اور ان کے اوصاف مذکورہ کے اعتبار سے تقرر کا حق سربراہ مملکت کو ہے۔ عامۃ الناس ان نزاکتوں اور مصلحتوں سے واقف نہیں ہوتے لہٰذا ان کی رائے کی ضرورت نہیں۔ اسی نوعیت کی پابندی رائے عام پر لگائی جائے گی۔

سوال ۵ اور ۶ کا جواب بھی اسی تشریح میں آگیا ہے۔

سوال۔ رئیس مملکت کا طریقۂ انتخاب کیا ہو گا؟

الجواب:- پہلا طریقہ: ملک کے سربراہ کا سب سے بہتر طریقہ وہی طریقہ ہے جس سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا کہ ملک کے جمہور اہل حل و عقد یعنی علماء و صلحاء و دانشور و دین دار امراء و روساء جو مسلمانوں اور اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں اتفاق و رضامندی سے کسی ایسے شخص

اوپر کے تین طریقوں سے مختلف ہو امیر و سربراہ بن جائے۔ ضرورت و فتنہ سے بچنے کو اسے بھی حکمران تسلیم کیا جائے گا۔ عبدالملک بن مروان و خلفاء عباسیہ کے خلافتوں و حکومتوں کا معرض وجود میں آنا اسی طریقہ سے ہوا۔ اس وقت کے علماء و صلحاء نے فتنہ سے بچنے کے لئے انہیں سربراہ مملکت تسلیم کیا اور حتی الامکان ان کی کوتاہیوں پر انہیں ٹوکتے بھی رہے۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو شرح منہاج مع حواشی شروانی وعبادی ج ۹ صہ ۷۵/۷۶ وتفسیر ابن کثیر ج ۱ صہ ۲۲۱ وفتاویٰ شامی ج ۱ صہ ۵۴۹ واحکام سلطانیہ ابو یعلی صہ ۲۱/۲۲/۲۳/۲۴/۲۵ واحکام سلطانیہ ابو یعلی صہ ۶ تا صہ ۱۳ وشرح المقاصد لسعد الدین التفتازانی ج ۲ صہ ۲۷۱ تا ۲۷۳)



اسلامی ریاست کی غرض و غایت اور اُس کے مقاصد

اسلامی ریاست کے مقاصد حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

۱۔ روئے زمین پر (نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہونے کی حیثیت سے) خلافت و نیابت کا فریضہ انجام دینا۔

۲۔ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ دین، دینِ اسلام کی اشاعت اور اس کا احکام و استحکام۔

۳۔ ریاست کے باشندوں کے لئے امن و سکون اور بے فکری و بے خوفی

کو اپنے ملک کا سربراہ مقرر کردیں جس میں سربراہی کے وہ اوصاف موجود ہوں جو احکام سلطانیہ کے محققین علماء و اسلاف نے ارشاد فرمائے ہیں۔

۲. دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو پہلے سے سربراہ مملکت چلا آرہا ہو جس کی اسلام سے محبت و دیانت اور امانت مسلم ہو وہ اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایسے شخص کو جو اسلام سے والہانہ محبت رکھتا ہو اسلامی احکام و آداب پر عمل پیرا ہو، مسلمانوں کا سچا خیر خواہ اور اسلام کے تقاضوں پر عمل کرنے میں نڈر ہو اپنا جانشین اور سربراہِ مملکت مقرر کرے جیسا کہ سیدنا عمر فاروق کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا۔

۳. تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سربراہِ اسلام و مسلمین رئیس مملکت کچھ ایسے افراد پر مشتمل ایک جماعت متعین و منتخب کرے۔ جن کی دیانت و امانت اور اسلام پر عمل پیرا ہونیکی صفت مسلم و مشہور ہو اور وہ علوم دینیہ (قرآن و سنت کے علوم) سے باخبر و باعمل ہوں۔ یہ مجلس شوریٰ کہلائے گی ان کے ذمہ لگائے کہ وہ اپنے مشورہ سے اپنے میں سے سب، سے بہتر و برتر کو سربراہ مملکت بنالیں۔ جیسا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب بحکم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمل میں آیا کَمَا وَرَدَ لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ - ان تینوں طریقوں سے مملکت اسلامیہ کا سربراہ منتخب ہو سکتا ہے یہ سب کچھ مشورہ سے ہو گا۔

۴. چوتھا طریقہ مملکت کے سربراہ کے انتخاب کا تو نہیں البتہ استیلاد تغلب کا کہلاتا ہے یعنی اہل حل وعقد کی رائے کے بغیر کوئی شخص غلبہ قوت سے سربراہ بن بیٹھے۔ ذاتی اثر و رسوخ یا فوجی قوت یا کسی دوسرے طریقے سے جو

کی زندگی بسر کرنے کے مواقع و اسباب فراہم کرنا جس کے درج ذیل کوائف ہیں

(الف) معاش و روزگار کے مواقع سب کے لئے برابر مہیا ہوں تاکہ ہر شخص اپنی مالی و جسمانی و فکری صلاحیت کے مطابق معاشی اعتبار سے ترقی کر کے کسی حد تک معاشرہ کے ساتھ ساتھ چل سکے۔

(ب) کمزوروں اور بے روزگاروں کی ضروریات کا انتظام کرنا چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر بھوک سے ایک اونٹ بھی ہلاک ہوا تو عمر خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا بھی جواب دہ ہو گا
(تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸)

(ج) مفسدوں، راہزنوں اور بدقماشوں سے اسلام کے تعزیری نظام کے مطابق نمٹنا اور انہیں حدود و قصاص کے نظام اسلام کی رسیوں میں جکڑنا۔

۴. نماز کی اقامت کا (اخلاقی و قانونی اعتبار سے) مسلمانان مملکت کو پابند کرنا۔

۵. معاشی فلاح و بہبود کو عمل میں لانے کے لئے زکوٰۃ کا نظام اپنانا۔

۶. باشندگان مملکت کی اخلاقی تربیت اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا۔ اس سلسلے میں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کو بھرپور استعمال کرنا۔

۷. عدل وانصاف کا سلسلہ اس طرح قائم کرنا کہ ظالم کو ظلم کا مزہ چکھانے کے لئے مظلوم کو جانی و مالی طور پر کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور انصاف سستا ہی نہیں مفت میسر آئے۔ یہ ساتوں مقاصد قرآن کی سورۃ نور کی آیت ۵۵ سورۃ حج کی آیت ۴۱ اور سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ سے لئے گئے ہیں۔

۲. بالغ رائے دہی

اس کے بارے میں ہم شروع میں بسط و تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔

۳. ووٹر (رائے دہندگان) کی عمر

ووٹر کے لئے بالغ ہونے کی شرط ہونی چاہئے اور بلوغ کی عمر بارہ سال سے ۱۵ سال ہے۔ آخری حد ۱۵ سال ہے اس عمر میں بہر صورت لڑکے کو بالغ تصور کیا جائے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے اذا تمّ للغلام والجاریۃ خمس عشرۃ سنۃ فقد بلغا (ج ۲ ص ۳۵۵) کہ لڑکے اور لڑکی عمر کے پندرہ سال جب پورے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو گئے۔ کافی میں ہے کہ یہی مفتیٰ بہ قول ہے ورنہ امام صاحب علیہ الرحمہ سے اٹھارہ سال کی بھی روایت ہے اگر حکومت کے نزدیک کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو وہ پندرہ کی بجائے اٹھارہ حتیٰ کہ پچیس سال کی شرط بھی لگا سکتی ہے۔

۴. عورتوں کا حق رائے دہی۔

اس پر بھی ہم شرح و بسط سے عرض کر چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں

۵. غیر مسلموں کا حق رائے دہی۔

اس کی تفصیلی بحث بھی گذر چکی ہے۔

۶. مجلسِ شوریٰ کی حیثیت۔

مجلسِ شوریٰ جب ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اس کے اہل ہوں تو اس کی حیثیت ایک اساسی ادارہ کی بن جاتی ہے جو قانونی و جمہوری و شرعی اعتبار سے ملکی و ملی و شرعی فیصلوں کی بنیاد قرار پاتا ہے جس سے کوئی سربراہِ مملکت بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کہ در پیش معاملہ میں مشورہ کیا کیجئے۔ تقریباً تمام مفسرین اپنی تفاسیر میں آئمہ دین متین سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وحی الٰہی سے فیصلے کرتے تھے بہ مطابق وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔

وہ ذہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

اس کے باوجود آپ کو مشورہ لینے کا حکم دینا تعلیمِ امت کے لئے تھا۔

چنانچہ سیدنا امام حسن بصری و امام ضحاک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

وَإِنَّمَا أَرَادَ أَنْ يُعَلِّمَهُمْ مَا فِي الْمَشُورَةِ مِنَ الْفَضْلِ وَلِتَقْتَدِيَ بِهِ أُمَّتُهُ مِنْ بَعْدِهِ
(تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۵۰)

اللہ تعالےٰ نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا دراصل اس کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشورہ کی اہمیت کی تعلیم دی جائے اور یہ کہ آپ کے بعد آپ کی امت مشورہ کے عمل میں آپ کی پیروی کرے

لہٰذا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول بحکم قرآن مشورہ لینا ضروری قرار پایا۔ لہٰذا مجلس شوریٰ کا وجود بھی ضروری ٹھہرا اور اس سے مشورہ لینا ضروری قرار پایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ۔ کہ ان کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں چنانچہ تفسیر البحر المحیط میں ہے۔

الشوریٰ من قواعد الشریعۃ وعزائم الاحکام من لا یستشیر اھل العلم والدین فعزلہ واجب ھذا ما لا خلاف فیہ وقد مدح اللہ المؤمنین بقولہ وامرھم شوریٰ بینھم۔ (البحر المحیط ج ۳ ص ۹۹)

یعنی مشورہ لینا، شریعت اور اس کے احکام کی بنیاد اور اہم چیز ہے جو سربراہِ مملکت اہل علم واہل دین (علماءِ کرام) سے مشورہ نہ لے اسے سربراہی سے الگ کرنا واجب ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی تعریف کی ہے کہ ان کے کام باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہُوا کہ اسلامی ریاست کے معاملات شوریٰ پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ شوریٰ اہلِ علم وعلماءِ کرام سے ہوگا اور یہ کہ شوریٰ سے بے نیاز سربراہ کا سربراہی سے معزول کر دینا واجب وضروری ہے۔ بشرطیکہ اسے معزول کرنے سے ملک وملت کے فتنہ وفساد میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

امام قرطبی علیہ الرحمہ تفسیر قرطبی میں فرماتے ہیں کہ

واجب علی الولاۃ مشاورۃ العلماء فیما لا یعلمون وفیما اشکل علیھم من امور الدین ووجوہ الجیش فیما یتعلق بالحرب ووجوہ الناس فیما یتعلق بالمصالح ووجوہ الکتاب والوزراء والعمال فیما یتعلق بمصالح البلاد وعمارتھا۔ (تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۴۹)

سربراہانِ مملکتِ اسلامیہ پر واجب ہے کہ وہ دینی معاملات میں جنہیں وہ خود نہ جانتے ہیں اور جو انہیں مشکل پیش آئے علماء کرام سے مشورہ لیں اور جنگی معاملات میں فوجی سربراہوں اور ملکی مصلحتوں میں ملک کے سربرآوردہ حضرات اور شہری وتعمیری معاملات میں گورنروں، وزیروں اور دانشور پیشواؤں سے مشورہ لیں۔

اس میں بھی واضح کر دیا کہ سربراہانِ اسلامی ممالک پر فرض ہے کہ وہ متعلقہ مسائل کے سلسلے میں ان کے ماہرین سے مشورے لیں۔ اسلامی، فقہی اور شرعی مسائل میں علماء کرام سے، جنگی معاملات میں فوج کے جرنیلوں سے، ملکی مصالح وفلاح وبہبود کے سلسلے میں، تجربہ کار اہلِ علم ودانش سے اور شہری وتعمیری مصلحتوں کے سلسلے میں وزیروں اور گورنروں سے مشورے لیا کریں۔

اختلافِ رائے

مجلس شوریٰ میں جب کوئی بات زیرِ بحث آئے اگر بالاتفاق طے ہو جائے تو بہتر ہے اور اگر رائے کا اختلاف ہو جس طرف دلائل بھرپور اور وزنی ہوں اس پر عمل کیا جائے اور اگر دلائل میں توازن برابر ہو تو پھر جس طرف اکثر ہوں

اسی کو اختیار کیا جائے اور اگر تعداد میں برابری یا اس کے قریب ہوں تو سربراہ کو اپنی صوابدید پر عمل کرنا چاہیئے اور اس میں یہ بات بنیادی طور پر ملحوظ ہے کہ جو مسئلہ قرآن و سنت و اجماع سلف سے طے شدہ ہے اس پر شوریٰ کو بحث کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ سنن دارمی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ کتاب الٰہی سے اس کا حل تلاش کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے اگر اس میں آپکے کوئی حل نہ ملتا تو جَمَعَ رُؤُسَ النَّاسِ وَخِيَارَهُم فَاسْتَشَارَهُم فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُم عَلَى أَمْرٍ قَضَى بِهِ (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۲/۵۴) یعنی لوگوں (دینی پیشواؤں (علماء صحابہ) کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے تو جب کسی مسئلہ پر ان کا اتفاق ہوجاتا تو آپ اسی پر حکم جاری کردیتے ۔

الناس علماء ہی ہیں

ہم نے الناس (آدمیوں یا لوگوں) کا ترجمہ علماء کیا ہے کیونکہ دراصل علماء ہی الناس (آدمی) ہیں ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ

لا يبغي على الناس الا ولد بغي والا من فيه عرق منه.	آدمیوں پر زیادتی وہی کرے گا جو ولد الزنا ہوگا یا وہ جس میں حرامی پن کی کوئی رگ ہوگی.

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۳)

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ سیدنا امام عبداللہ بن مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

سئل ابن المبارك من الناس؟ فقال العلماء.	امام عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ الناس (آدمیوں) سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا "علماء"

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۸ طبع مصر)

اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید امام عبداللہ بن مبارک نے ایسے آدمی کو گنا ہی نہیں جو عالم نہ ہو کیونکہ انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے ۔ انسان کی عظمت طاقتور جسم سے نہیں کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے بڑی جسامت سے نہیں کیونکہ ہاتھی کی جسامت اس سے بڑی ہے ۔ بہادری سے نہیں کیونکہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے ، زیادہ خوراک سے نہیں کیونکہ بیل کی خوراک اس سے زیادہ ہے ، شہوت کی وجہ سے نہیں کیونکہ چڑے میں اس سے زیادہ شہوت ہے اور آدمی تو علم کے لئے بنایا گیا ہے اور اسی اسکی عظمت ہے گویا جس نے علم حاصل کیا اس نے آدمیت کی عظمت نہ پائی اس لئے وہ آدمی ہی شمار نہ ہوگا ۔"

اسی دارمی میں اگلی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت سے نہ ملے تو فَلْيَقْضِ بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ تو اس سے پیشتر کے صالحین (علماء کرام) کے کئے ہوئے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے ۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۴)

اس کے بعد کی حدیث میں ہے کہ

فان لم تجدوه في سنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فبما أجمع عليه المسلمون فان لم يكن فيما اجتمع	اگر تم متعلقہ مسئلہ کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ پاؤ تو مسلمانوں کے (علماء کرام) اجماع کے مطابق عمل کرو پھر اگر اس میں مسلمانوں کا

علیه المسلمون فاجتهد برأیك (دارمی ج ۱ صہ ۵۵) — کوئی اجتماع نہیں پایا جاتا تو اپنی رائے (مشورہ) کے مطابق عمل کرو۔

اس حدیث سے اور اس سے گزشتہ حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ اسمبلی ہو یا شوریٰ اسے کسی ایسے حکم پر سوچنے کی ضرورت نہیں، جو قرآن وحدیث و اجماع اُمت سے ہے۔ ہاں قرآن وحدیث و اجماع کے بعد مشورہ ہونا چاہیے۔

شرائطِ اہلیتِ مجلسِ شوریٰ

چونکہ شوریٰ ہی کے لوگ ملکی و ملی نظم ونسق کا ذمہ دار ہوتے ہیں اور وہی مشورہ دینے اور ملکی و ملی نظم ونسق کے سلسلے میں جواب دہ و مجاز و مختار ہوتے ہیں جب کہ ان کے مشوروں کو سربراہِ مملکت شرعی تقاضوں کی روشنی میں اہمیت دیتے اور انہیں عملی جامہ پہناتے ہوں۔ اس لئے احکامِ سلطانیہ میں ارکانِ شوریٰ کو اہلِ اختیار کہا جاتا ہے اور اس لئے بھی وہ اہلِ اختیار کہلاتے ہیں کہ ایک سربراہ کے بعد دوسرے سربراہ کے تقرر کا بھی ان کو اختیار ہوتا ہے۔ تو اہلِ اختیار کے شرائط میں امام ماوردی و امام ابو یعلیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

واما اهل الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة (۶/ ۱۹) — یعنی اہلِ اختیار (ارکانِ شوریٰ) کی اہلیت کے سلسلے میں تین باتیں شرط ہیں۔

اس کے بعد ان کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

۱. ایک تو یہ — صاحبِ عدالت ہوں یعنی صالحین ہوں (اور عدالت کے بارے میں ہم شرح مجلہ کے حوالہ سے پہلے لکھ چکے ہیں)۔

۲. دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس قدر علمِ دین اور شعور رکھتے ہوں جس سے ان کو ایک دینی و اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہلیت و صلاحیت و استحقاق کا معیار معلوم ہو۔

۳. تیسری شرط یہ ہے کہ علمِ دین و شعور قوی رکھنے کے ساتھ صاحبِ رائے اور صاحبِ بصیرت ہوں تاکہ وہ سربراہِ مملکت کے انتخاب و تقرر میں کسی تغافل و تساہل کا شکار نہ ہوں اور اس کے بعد ملکی و ملی امور کے بارے میں بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ (ملاحظہ ہو احکامِ سلطانیہ ماوردی صہ ۶ و ابو یعلیٰ صہ ۱۹)

پارٹی سسٹم اور انتخابات

اسلامی نقطۂ نظر سے پارٹی سسٹم کی بنیاد پر انتخابات کا کوئی تصور نہیں یہ برطانوی اور غیر اسلامی طرزِ انتخاب ہے اس پر شروع میں بسط سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

ایک ایوانی مقننہ یا دو ایوانی مقننہ

اسلامی ریاست کی مجلسِ شوریٰ وحدانی شوریٰ و پارلیمنٹ ہوتی ہے اس

میں ایوانِ بالا و ایوانِ زیریں (پارلیمنٹ و سینیٹ) کا کوئی قانون نہیں ہے۔ جب شوریٰ صحیح و مخلص و محبِ وطن و اسلام و علوم شرعیہ سے باخبر و باعمل ہو تو اس کا طے کردہ فیصلہ صدرِ مملکت، خلیفۂ وقت یا امیر المومنین کی تنفیذ سے نافذ ہو جاتا ہے۔ یہی وحدانی ایوان ہی کافی ہے۔ اس میں زیریں اور بالا کی تفریق کا کوئی قانون نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے

شرائطِ اہلیتِ صدر

سربراہِ مملکت یا مسلمانوں کے امیر و خلیفہ کی اہلیت کے سلسلے میں شرح مواقف و شرح مقاصد میں سات امور شرط قرار دیئے گئے ہیں۔

اوّل :- یہ کہ وہ مسلمان ہو اور پاکستان میں بالخصوص اس ملک کی اکثریت کا ہم مسلک ہو یعنی جو اہلِ سنت حنفی فکر کا حامل ہو۔

دوم :- یہ کہ عاقل و بالغ ہو۔

سوم :- یہ کہ سننے دیکھنے اور بولنے میں صحیح و سلامت ہو۔

چہارم :- یہ کہ شجاعت و بہادری کی صفت سے متصف ہو اور صاحبِ ہمت و جرأت ہو اور غیور و ہوشیار ہو۔

پنجم :- یہ کہ مرد ہو عورت نہ ہو جیسا کہ ہم اس سے پیشتر احادیث کے حوالوں میں نقل کر چکے ہیں کہ جس قوم نے اپنے امورِ سلطنت عورت کے ہاتھ دے دیئے وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔

ششم :- یہ کہ وہ عادل و امین ہو کہ مملکت کے عہدے اور مناصب کی تفویض کسی سفارش و لالچ کی نہیں اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر کرے کیونکہ نا اہلوں کو منصب سونپنا خیانت ہے اور خدا و رسول سے بے وفائی بھی۔

ہفتم :- یہ کہ وہ عالمِ دین و متقی اور صاحبِ وجاہت و اخلاقِ حسنہ کا مالک ہو۔ وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (بقرہ) کا مصداق ہو (شرح مواقف ج ۸ ص ۳۴۹/۳۵۰) (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۱/۲۷۲) اور یہ وہ شرائط ہیں جن میں کسی کو اختلاف نہیں جب کہ شرح مواقف میں ہے فہذہ شروط معتبرۃ فی الامامۃ بالاجماع (ج ۸ ص ۳۵۰) یعنی یہ تو متفق علیہ شرطیں ہیں جن کے بغیر اسلامی مملکت کا خلیفہ و امیر اپنے منصب کا اہل ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کے قریشی ہونے میں اہلِ سنت وغیرہ کا اختلاف ہے تاہم جب ان شرائط کا جامع قریشی نہ ہو تو غیر قریشی بھی ہو سکتا ہے۔

صدر کا انتخاب براہِ راست یا بالواسطہ

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب براہِ راست اہلِ حل و عقد کے ذریعے عمل میں آیا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب بالواسطہ عمل میں آیا لہٰذا دونوں صورتیں درست ہیں ملکی حالات و مصالح کے تحت جسے قابلِ ترجیح تصور کریں اس پر عمل فرمائیں۔

شرائطِ نمائندگان

نمائندگی کے لئے شرائط کا تجویز کرنا اور خصوصیات کا طے کرنا ضروری ہے
ظاہر ہے کہ کم از کم مسلمان، عاقل و بالغ اور اہلِ شہادت ہونے کے ساتھ
اس قدر علم و فضل رکھتا ہو کہ نمائندگی کا حق ادا کرسکے۔ اہلِ شہادت کے بارے
میں وہی بات ملحوظ رہے جو صاحبِ عدالت کے بارے میں لکھی جاچکی ہے
کہ وہ فرائض و واجبات کا پابند اور محرماتِ شرعیہ سے اجتناب کرتا ہو اور
اس کا مبلغ علم اس قدر ہو کہ احکامِ شرعیہ و ملکی مصالح میں مدلل طریقے سے رائے
کا اظہار کرسکے یہ لوگ یعنی نمائندگان اسلامی احکامِ سلطانیہ کی رو سے اہلِ اختیار
کہلاتے ہیں اور اہلِ اختیار کے سلسلے میں ضروری امور اس سے قبل
لکھے جاچکے ہیں۔

شرائطِ رائے دہندگان

شرائطِ رائے دہندگان میں بنیادی جزو اسلام ہے اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی
اور اخلاقی اعتبار سے مستحسن حیثیت کا مالک ہونا اس سلسلے میں اگر ایک ایک گھر
کا ایک ایک نمائندہ رائے دینے کے لئے تجویز کیا جائے جب بھی کافی ہے
عورتوں اور اس کے لڑکوں کی جو ان کی کفالت میں ہیں رائے لینے کی ضرورت

نہیں۔ چنانچہ امام علامہ محدث شہیر ابو محمد عبداللہ المعروف ابن ابی جمرہ اندلسی
علیہ الرحمہ متوفی ۶۹۹ھ جمع النہایہ فی بدء الخیر و الغایہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں

فبیعة الرجال بیعة عنهم وعن من تحت ایالتهم من النساء والعبید والصبیان (ج ۱ ص ۳۲)

یعنی مردوں کا ووٹ ہی ان کی اپنی اور ان کی طرف سے جو عورتیں غلام اور بچے ان کی کفالت میں ہیں سب کی طرف سے کافی ہے۔

لہٰذا یہ صورت بھی جائز ہے کہ ہر ہر گھر میں سے ایک مسلمان، عاقل و بالغ
صوم و صلوٰۃ کا پابند، اچھے اخلاق والا سب گھر والوں عورتوں، لڑکوں اور
خادموں کی طرف سے نمائندگی کرے اور رائے کا اظہار کرے اگر صوم و صلوٰۃ
کا پابند اور مسلمہ اخلاقِ حسنہ والا نہ ہو تو اس گھرانے کو ان کی اپنی کمزوری کی
بنا پر اور عدم اہلیت کی وجہ سے نظر انداز کردیا جائے اور اس سلسلے
میں نماز کی پابندی کا سرٹیفکیٹ متعلقہ مسجد کے امام و خطیب سے لیا جائے
جس پر اس شخص کے گھر کے آس پاس کے دو نمازیوں کے دستخط بسلسلہ تصدیق و
تائید بھی ہوں اور اخلاقی شرافت و دیانت و امانت کے حامل ہونے کا سرٹیفکیٹ
متعلقہ تھانہ کے ایس ایچ او[1] سے منسلک کراکر دونوں سرٹیفکیٹ مع تعلیمی سند
الیکشن کمیشن کے ہاں جمع کراتے اور وہ اس کے ووٹر ہونے کی تصدیق میں
اسے ایک سرٹیفکیٹ دے اور وہ ووٹ دیتے وقت اسے پیش کرکے
ووٹ ڈالے اور اپنا حق رائے استعمال کرے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ان
جملہ خرابیوں کا سد باب ہو جاتا ہے جو عام انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہو کر ملک و

---

[1] تھانہ سے اس بات کا سرٹیفکیٹ ہوگا کہ اسکے خلاف تھانہ میں کوئی اخلاقی نوعیت کا مقدمہ درج نہیں ہوا۔

ملت کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔

نمائندگان کی عمر

اس میں مدت بلوغ یعنی پندرہ و اٹھارہ سال اور اس سے زیادہ مزید شعور کے حاصل کے لئے پچیس سال کی شرط عائد کی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں۔

جُداگانہ انتخاب

غیر مسلم اقلیتوں کو اس بات کا اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فلاح و بہبود کے سلسلے میں کسی ایک شخص کا انتخاب کریں اور حکومت اسلامیہ اسی کو ان کا وزیر بنا دے جس کا مسلمانوں کی کسی بات سے تعلق نہ ہو، تاکہ کسی غیر مسلم کا مسلم پر تسلط لازم نہ آئے۔ مگر وہ مسلمانوں کی نمائندگی میں ووٹ نہیں دے سکتے کہ وہ اس کا حق ہی نہیں رکھتے جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے۔

انتخابی کالج (علاقہ داری، پیشہ وارانہ، حلقہ رائے دہی)

پیشہ وارانہ نمائندہ انتخابات میں لوگوں میں پیشہ وارانہ تعصبات کے پیدا

ہونے کا امکان ہوگا اس لئے اس کی بجائے علاقہ داری لحاظ سے حلقۂ انتخاب متعین کرنا مناسب ہوگا۔ البتہ صدرِ مملکت کو اختیار ہے کہ وہ بعض اہم پیشوں کے ماہرین میں سے اپنا وزیر اور متعلقہ پیشوں کا مشیر مقرر کر دے۔ جیسا کہ بعض ممالک میں غیر منتخب نمائندوں کے علاوہ نامزد نمائندوں کے ایک حد تک صدرِ مملکت کو اختیار ہوتا ہے ویسے کہا جاسکتا ہے اسلام تو مکمل شوریٰ کے نامزد کرنے کا بھی سربراہِ مملکت کو اختیار دیتا ہے لہٰذا جزوی نامزدگی کیونکر قابلِ اعتراض ہو سکتی ہے۔

کیا صدرِ شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہوگا؟

صدرِ مملکت کتاب و سنت اور اجماع امت کے فیصلوں کا تو قطعی پابند ہے اس سے انحراف ہرگز نہیں کر سکتا البتہ کتاب و سنت و اجماع امت کے بعد اجتہادی اور مشورہ طلب مسائل میں اسے شوریٰ کے اس فیصلہ کا پابند ہونا بھی ضروری ہے جو شوریٰ میں با اتفاق رائے طے پائے اور اختلاف رائے کی صورت میں وہ کسی ایک رائے کا پابند نہیں دونوں آراء میں سے جو رائے اس کے نزدیک دلائل کی روشنی میں زیادہ وقیع و قرین مصلحت ہو اسے اختیار کرے بہر صورت اجتہادی و متنازعہ فیہا امور میں اس پر کسی رائے کی پابندی ضروری نہیں۔ البتہ زیادہ دلائل سے مدلل رائے کا عمل میں لانا اس کے لئے بہتر ضرور ہے۔

صدر کا انتخاب ایک مخصوص مدت کے لئے ہوگا یا تاحیات؟

اسلام میں منتخب یا منتخب کا نامزد کردہ جانشین سربراہِ مملکت تاحیات ملک کا سربراہ ہوگا۔ اس کے لئے کوئی مدت معین نہیں ہوتی جب تک وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند، احکامِ اسلام کا نفاذ کرنے والا اور اسلامی اقدار کو فروغ دینے والا ہے ملک کا سربراہ ہے اس وقت تک وہ سربراہ رہے گا اور اس کی جائز امور میں اطاعت واتباع واجب ہوگی۔ بلا وجہ شرعی سربراہِ مملکت کو اس کے منصب سے الگ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے شرعی وجہ کے بغیر اسے الگ کرنے کی کوشش کی تو وہ الگ نہیں ہوگا۔

چنانچہ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ولا یجوز خلع الامام بلا سبب ولو اخلعوہ لم ینفذ (ج ۲ ص ۲۷۲)	یعنی شرعی وجہ کے بغیر سربراہ مملکت کو معزول کرنا جائز نہیں اگر لوگوں نے کر بھی دیا تو ان کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف

